عفت المسلمات

مؤلفہ

علیا حضرت جناب نواب **سلطان جہان بیگم** صاحبہ تاج ہند

جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای، و جی، بی، ای، فرمانروائے بھوپال

ادامہا اللہ بالعز والاقبال

سنہ ۱۹۱۸ء مطابق سنہ ۱۳۳۶ھ

مفید عام اسٹیم پریس آگرہ میں قادری محمد علیجان صوفی کے اہتمام سے چھپی

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ



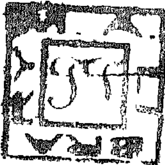
عفت المسلمات

مؤلفہ

علیا حضرت جناب نواب **سلطان جہان بیگم** صاحبہ تاج ہند

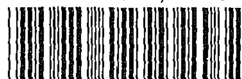
جی سی ایس آئی، جی سی آئی ای، جی بی ای، فرمانروائے بھوپال

ادامہا اللہ بالعزۃ والاقبال



سنہ ۱۹۱۸ء مطابق سنہ ۱۳۳۶ھ

مفید عام اسٹیم پریس آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے اہتمام سے چھپی



فہرست مضامین

تمت





یہ کتاب جس میں پردہ کے مضمون پر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے صرف اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ یہ مسئلہ آجکل خواتینِ اسلامی کے لئے ایک اہم سوال بن گیا ہے اور اُنکی بہبود و اخلاقی ترقی کا اس پر مدار ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر ایک مفصّل بحث کی جائے تاکہ ہماری ہم مذہب بہنیں اس پر غور کریں۔ اور سمجھیں کہ بحیثیت ایک مسلمان اور پابند تہذیب و اخلاقِ اسلامی ہونے کے اُن کے لئے کیا بہتر ہے؟

میں نے اس کتاب میں اپنی ذاتی رائے کو بہت ہی کم دخل دیا ہے احکام مذہب یعنی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو درج کرنے کے بعد اُن کے متعلق مشاہیر علما کی جو رائیں ہیں وہ نقل کر دی ہیں۔ ان میں قدیم علما کے طبقہ میں شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا بحر العلوم بڑے فقیہہ اور محدث ہیں۔

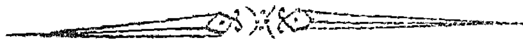
روشن خیال اور جدید طبقہ میں مولانا شبلی اور مولانا نذیر احمد نہایت ممتاز اور مستند

ہیں، اور جدید تعلیم یافتہ گروہ میں ان کا تبحر علمی مشہور ہے۔

نتائج بے پردگی کے بیان میں جن ممالک میں پردہ نہیں ہے اور عورت ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے وہاں کے فاضلوں، ڈاکٹروں، فلاسفروں اور مصلحین ملک وملت کی رائیں درج کی ہیں۔

میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ ہماری قوم کا ایک گروہ نہایت غضب ناک نظروں سے اس کتاب کو دیکھے گا، لیکن مجھے امید ہے کہ میری وہ ہم مذہب بہنیں اور بیٹیاں جن میں ہنوز اسلامی عصبیت وغیرت موجود ہے اور جو احکام مذہب کا احترام کرتی ہیں غور و شوق کے ساتھ مطالعہ کریں گی اور اپنی ایک ایسی ہمدرد کی جس کے دل میں ان کی دینی و دنیوی فلاح کے سوا اور کوئی خیال نہیں ہے نصیحت کو دل سے سنیں گی اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گی۔

سلطان جہاں بیگم



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قریباً تیس چالیس سال سے دُنیائے اسلام میں جو مسائل زیر بحث ہیں ان میں پردہ کا مسئلہ بھی ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ اُن ممالک میں زیادہ تر زیر بحث ہے جو مغربی تہذیب و تعلیم اور تمدن و معاشرت سے بہت زیادہ اثر پذیر ہیں۔

ایسے ممالک میں ٹرکی، مصر اور ہندوستان خاص طور پر قابل الذکر ہیں۔ جہاں اس دورِ جدید میں علوم جدیدہ کی تعلیم اور اصلاح تمدن و معاشرت کی تحریکوں کے ساتھ تعلیم نسواں پر بھی توجہ ہوئی اور اُن کی تعلیم و حقوق اور اصلاح معاشرت و تمدن کے مسائل میں پردہ کا مسئلہ بھی بحث طلب بن گیا اور اس بحث میں تین فریق پیدا ہو گئے۔

(۱) جو قطعی طور پر پردہ کا مخالف ہے۔

(۲) احکام مذہب کی توجیہات و تاویلات سے کام لے کر مروجہ پردہ میں نرمی اور ترمیم چاہتا ہے۔

(۳) بدستور مروجہ پردہ کو قائم رکھنے کا خواہشمند ہے اور اس میں کسی ترمیم کو قومی عزت

وناموس کے لئے خطرناک سمجھتا ہے اور اُس کو سراسر احکام مذہب کا مخالف قرار دیتا ہے۔

ان تینوں گروہ میں سخت اختلاف قائم ہے جس کا اظہار اخبارات و رسائل اور تصنیفات و تالیفات میں ہوتا رہتا ہے اور ہر فریق دوسرے فریق کو شکست دینے اور اُس کو اپنے خیالات کے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ حالت ایک عرصہ سے عالم اسلامی میں قائم ہے۔

ہندوستان میں بھی یہی صورت پیش ہے اور ان مختلف خیالات کا اثر گھروں کی چار دیواری کے اندر خواتین اسلام میں بھی پھیل چکا ہے بعض گھرانوں اور خاندانوں میں بے پردگی کا میلان پیدا ہو گیا ہے اکثر پڑھی لکھی مسلمان عورتیں پردہ کو ایک قید سمجھنے لگی ہیں اور جو خود نہیں سمجھتیں تو اُن کے آزادی پسند شوہر اپنے شوہری اثر سے سمجھا رہے ہیں، جن طبقوں میں ان خیالات کا اثر ہو چکا ہے وہاں اگرچہ یہ بلا عام نہیں ہوئی ہے لیکن خاص خاص گھرانوں میں پائی جاتی ہے اور محض فیشن اور اظہار نمود و نمائش کے لئے بے پردگی اختیار کی گئی ہے کاش وہ اس بے پردگی سے مثل مغربی خواتین کے قوم کی مادّی بھلائی کے لئے ہی کچھ کام کرتیں۔ مدرسے جاری کرتیں، اُن میں معلّمہ ہوتیں، ڈاکٹری پڑھتیں اور اپنی بہنوں کو فائدہ پہونچاتیں۔ غرض کوئی نہ کوئی کام کرتیں تو اس برائی میں کچھ تو بھلائی کا پہلو ہوتا، لیکن آج ایک مثال بھی ایسی نہیں۔

بہرحال میں اس تبدیلی کو نہایت تشویش اور فکر سے دیکھ رہی ہوں اور اس کو تباہی

قومیت و مذہب کا پیش خیمہ سمجھتی ہوں۔ اور میرا یہ سمجھنا صرف بطور عقیدہ کے نہیں ہے جو میرے دل میں راسخ ہے، بلکہ میں نے غور، مطالعہ، سیاحت و سفر اور قوموں کے حالات کے معائنہ سے اس نتیجہ کو حاصل کیا ہے۔

میری عمر کا بہت بڑا حصہ اپنے صنفی مسائل پر غور کرنے میں گذرا ہے اور ان مسائل میں پردہ اور تعلیم سب سے زیادہ دلچسپ مسئلے رہے ہیں۔ تعلیم کے متعلق میں نے بارہا اور متعدد موقعوں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور بقدر امکان عورتوں میں اس کی اشاعت کی کوشش بھی کی ہے لیکن پردہ کے متعلق مجھے بہت کم اظہارِ خیال کا اتفاق ہوا ہے البتہ ۱۹۱۱ء میں جب میں یورپ کے سفر سے واپس آئی تھی تو لیڈیز کلب میں حالاتِ سفر پر ایک تقریر کی تھی اور اس میں جہاں میں نے یورپ کے تمدن و معاشرت کی خوبیوں اور عورتوں کی قابلیت کا تذکرہ کیا تھا وہاں یہ بھی کہا تھا کہ

"میں اس تعلیم کے ساتھ اس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ہمارے یہاں کی پردہ نشین ناخواندہ بلکہ خواندہ عورتوں کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں گذر سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ آزادی جو سرزمین یورپ میں ہے وہاں کے مناسب ہو یا یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین و ہدایت کے مطابق ہو مگر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں موزوں نہ ہوگی اور نہ خدا تعالیٰ کے احکام کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں۔ پس ہم کو اس مقولہ پر عمل کرنا چاہیے۔ "خُذ ما صفا

وَدَعْ مَا كَدَرَ" اچھی چیزوں کو لو اور بری چیزوں کو چھوڑ دو مسلمان عورتوں کو کبھی اُس آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے جو مذہب اسلام نے اُن کو عطا کی ہے اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔"

مگر اسی وقت سے میرا مصمم ارادہ تھا کہ میں پردہ کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے مواد جمع کرنا شروع کیا اور یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ نہ صرف علمائے اسلام کی کتابیں دیکھوں بلکہ ان مغربی مصنفین کی تصانیف کا بھی مطالعہ کروں جنھوں نے اپنے ملک کی آزادی پر غور کر کے نتائج اخذ کیے ہیں اور اُن کو اہل ملک کی توجہ کے لیے شائع کیا ہے۔

میری بارہا اُن شہری خواتین سے ملاقات ہوئی ہے جو اپنا مقصدِ زندگی مذہب کی خدمت قرار دیتی ہیں اور اپنی پاکدامنی میں مصروف ہیں، ان کی حالت پر ظاہری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بعض باتوں میں مسلمان محصنات سے کس قدر قریب ہیں لباس میں اپنے ستر کو کس درجہ ملحوظ رکھتی ہیں، پھر اس میں زیب و زینت نہیں ہوتی، بناؤ سنگار کے نزدیک نہیں پھٹکتیں اور تبرج سے دور رہتی ہیں، خصوصاً رومن کیتھولک عورتیں جو کانونٹ یا گرجا میں رہتی ہیں) اس امر پر مجبور ہیں کہ وہ مردوں سے زیادہ نہ ملیں اور وہ شادیاں بھی نہیں کر سکتیں، اگرچہ یہ آخری حالت مذہبی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے نزدیک اسی طرح ناپسندیدہ ہے جس طرح کہ آزادانہ میل جول سے تاہم

اس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ مسیحی مذہب کے احکام و روایات بھی تبرّج اور اظہار زیب و زینت اور مردوں اور عورتوں کی آزادانہ یکجائی کو روکتے ہیں، اس آزادی سے جو یورپ میں پھیلی ہوئی ہے اس سے مذہبی گروہ علیحدہ رہتا ہے۔ مجھے اکثر ایسے غیر یورپین شرفا سے گفتگو کا بھی موقع ملا جو اپنی سوسائٹی کی آزادی سے نالاں ہیں اور خدا سے چاہتے ہیں کہ ان میں بھی پردہ رائج ہو۔ بہرحال میں نے ایسی کتابوں اور مضامین کو جمع کیا اور انھیں دیکھا ان کتابوں کے اکثر مضامین میں تو ایسی صفائی گوئی سے کام لیا گیا ہے اور اس طرح سوسائٹی کی آزادی کے نقصانات ظاہر کئے گئے ہیں کہ ایک ایسی عورت کے لئے جس میں طبعًا اسلامی شرم و حیا مرکوز ہو ان کا غور کے ساتھ دیکھنا اور اپنی تحریر میں لانا کسی طرح نہ روا ہو سکتا ہے اور نہ ممکن ہے مگر چونکہ خیر کثیر کے لئے شر قلیل کو گوارا کر لینا اصول انسانیت میں داخل ہے اور میں نے اس کو اپنا فرض سمجھا کہ میں اپنی قومی بہنوں کے لئے جو اپنی محبت سے مجھے بطور ایک مثال عزیز سمجھتی ہیں۔ ایک ایسی تالیف چھوڑ جاؤں کہ جب وہ آزادی کا خیال کریں تو اس کو بھی دیکھ لیں اور ممکن ہے کہ اس سے ان کو کچھ عبرت اور بصیرت حاصل ہو اس لئے میں نے اپنے دفتر کے مترجمین کو حکم دیا کہ میرے سامنے صرف وہ مضامین پیش کئے جائیں جو نسبتًا نرم ہوں اور ان کو غور کے ساتھ دیکھا جا سکے باایں ہمہ وہ سب مضامین بھی اقتباس کے قابل نہ تھے مگر مشتے نمونہ از خروارے ان میں سے جہاں مناسب سمجھا اقتباس کر لیا۔

عربی کتابوں میں زمانہ حال کے علمائے مصر نے بہت اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن میں آزادانہ واقعات اور چیز زور طریقہ پر اظہار رائے سے کام لیا ہے۔ ان سے بھی میں نے مناسب موقع پر استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب میں متمدن ممالک کے جو واقعات درج کئے گئے ہیں ان سے کسی ملک کی تحقیر و اہانت یا اُن اعلیٰ اوصاف کا انکار جو تمدن مغرب کی برتری اور فخر کا باعث ہیں یا کسی تہذیب و تمدن پر کوئی طنز بازی نظر نہیں ہے بلکہ اسلامی احکام پردہ کی عظمت و وقعت کے لئے بالمقابل بے پردگی اور عورتوں کی آزادانہ سوسائٹی کے نتائج کا بیان کرنا مقصود ہے۔

بایں ہمہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پردہ میں وہ برائیاں بالکل معدوم ہیں جو بے پردگی اور آزاد سوسائٹی کے نتائج ہیں مگر یہاں قلت و کثرت اور معمولی و غیر معمولی سے بحث ہے۔ بے پردگی میں برائی کے مواقع زیادہ حاصل ہو سکتے ہیں اور پردہ میں بہت کم اور اس حالت کو ڈاکٹر لیبان بھی تسلیم کرتا ہے کہ

"وہ مشرقی ممالک میں غیر معمولی اور مغرب میں معمولی ہے"

انسان چوروں کے خوف سے اپنی قیمتی چیزوں کو تہ خانوں اور کوٹھریوں میں بند کر کے رکھتا ہے لیکن وہاں بھی سرقہ و نقب کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چیزوں کو غیر محفوظ طور پر رکھا جائے اور اسبابِ حفاظت ترک کر دیے جائیں۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ پردہ کا حکم

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ	(اے پیغمبر اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور
وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی
يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ	چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں اس سے
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ	غالباً یہ الگ پہچان پڑینگی (کہ نیک بخت ہیں)
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔	اور کوئی چھیڑیگا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اس بنا پر نازل ہوا ہے کہ مردوں نے عورتوں کو اذیت پہونچائی اور شرارتیں کیں یہ حالت ابھی تک قائم ہے اور جب تک دنیا میں ان دونوں جنسوں کا وجود ہے قائم رہے گی۔ کہا جاتا ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ عورتوں کو کوئی ایذا دے لیکن ایذا کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ مکر و فریب اور ترغیبات کے ذریعے بھی ایذا پہونچائی جاتی ہے اور اس ایذا سے بڑھ کر کون ایسی ایذا ہو گی کہ ایک عورت کی تمام زندگی خراب کر دی جائے۔

اوّل الذکر ایذا سے جس کا تعلق زبردستی سے ہے قانونِ حکومت روک سکتا ہے لیکن اس آخر الذکر ایذا سے صرف قانونِ اخلاق اور سوسائٹی کے قواعد ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں مگر جب ان قوانین و قواعد میں کوئی دفعہ ایسی نہ ہو جو آخری ایذا سے بچائے تو بجز پردہ کے اور کون ذریعہ ہے اور پردہ بھی وہ جو کمال کے ساتھ ہو جیسا کہ امہات المومنین کرتی تھیں اور امہات المومنین کے اخلاق اور ان کی سیرت اون کی تمام بیٹیوں کے

لئے ایک سنت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عہد رسالت کے بعد احکام میں تشدد اور سختی زیادہ ہوگئی لیکن اس تشدد و سختی سے عورتوں کی توقیر گھٹانی مدنظر نہ تھی۔ بلکہ جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مختلف تہذیب اور خیالات وعقائد کی اقوام سے میل جول بڑھنا شروع ہوا، دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن نے ترقی کی اور فتنہ و فساد کا احتمال ہوگیا تو انھوں نے اتقا کی صورت اختیار کی اور معاشرت و تمدنی فتنہ و فساد کے امکان کا انسداد کردیا۔

اسلام وانسانیت میں اتقا بھی ایک چیز ہے، اتقا کا مفہوم ہر ایسی چیز اور ایسے فعل سے اجتناب ہے جس میں کوئی ظاہری و باطنی ضرر ہو۔ جب سوسائٹی کی یہ حالت ہو جائے کہ ہر قسم کا لھو ولعب اس میں موجود ہو حرام وحلال کا فرق اٹھ رہا ہو، اوامر و نواہی کا امتیاز نظر انداز کیا جا رہا ہو، رقص و سرود اور کھلی ہوئی تفریح گاہوں میں مرد و عورت شریک ہوں، تھیٹر اور سینما ٹوگراف میں جہاں حیا سوز نظارے دکھائے جاتے ہیں۔ عورتیں، مرد، لڑکے، لڑکیاں، دوش بدوش، پہلو بہ پہلو بیٹھیں فیشن اور معاشرت کی ضرورتیں روز افزوں ہوں، ترغیبات کا دائرہ یوماً فیوماً وسعت پذیر ہو اور پھر قانون حکومت اتنا نرم ہو کہ اس جرم کے ارتکاب میں جس کی سزا اسلام میں غیر شادی شدہ کے لئے سو درّے اور شادی شدہ کے لئے سنگساری ہو صرف دوسری صورت میں بشرطیکہ شوہر استغاثہ کرے زیادہ سے زیادہ دو سال تک قید کی سزا دی

جائے اور اگر کسی شادی شدہ عورت کے مقابلہ میں اعادۂ حقوق زناشوئی کا دعویٰ ہو تو اس کے فیصلہ میں آخری عدالت سے یہ نظیر[۵] قائم کی جائے کہ

"اس تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں کسی عورت کو اس کی مرضی کے خلاف شوہر کے پاس رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔"

تو وہاں ایسی قوم کی عورتوں کا کیا حال ہوگا جس کے مذہب میں عصمت و غیرت کا مفہوم اپنی انتہائی درجہ پر ہو۔ اور جہاں مردوں سے نظر ملانا، ایک مرد اور عورت کا تخلیہ میں گفتگو کرنا زینت دکھانا ممنوع ہو اور بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عورت کی حیا ستر ہو کیا یہ ممکن ہے کہ پردہ ترک کرنے والیاں "ولا یبدین زینتھن" کی عامل رہ سکیں۔ اور وہ جب کسی ضرورت یا ہوا خوری اور سیر و تفریح کو جائیں تو بناؤ سنگار کر کے نہ جائیں۔ اور مرد کیونکر مجبور ہو سکتے ہیں کہ ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔

یہاں یہ مسئلہ بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ مجرد قوانین تعزیزی خواہ وہ کیسے ہی سخت ہوں محافظ عصمت نہیں ہو سکتے۔

روما میں بھی ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ ایسے جرائم کی سزا اتنی سخت تھی کہ عورت اور مرد کو ایک ساتھ باندھ کر جلا دیا جاتا تھا لیکن وہ ہی زمانہ انتہائی بے عصمتی کا تھا۔ توراۃ میں اس بداخلاقی کے لئے سنگساری کی سزا مقرر تھی جس کو مذہب عیسوی نے قائم رکھا اور وہ منسوخ نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ارتکاب جرم کا اندازہ صرف اس واقعہ سے

---

[۵] تمام اخبارات میں الٰہ آباد ہائیکورٹ کے جج سر جارج ناکس کے اس فیصلہ کا شہرہ ہے۔ ۱۲

کر لینا کافی ہوگا کہ جب مریم میگڈلنی بدکاری کے جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عیسیٰ کے سامنے پیش ہوئی تو آپ کو اُس پر رحم آگیا۔ مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ

"تم میں جو پاکدامن ہو اور جس نے ایسی بُرائی کا ارتکاب نہ کیا ہو وہ سزا دینے کے لئے آگے بڑھے"

لیکن ایک شخص بھی آگے نہ آیا موجودہ زمانہ میں بھی کنیڈا میں ایسے جرم میں سزائے تازیانہ اور پانچ سال قید سخت اور بعض صورتوں میں حبس دوام تک ہے مگر چونکہ آزادی مطلق بھی ہے اس لئے منشائے سزا میں ناکامی ہے اسلام چونکہ اکمل الادیان ہے۔ ایک طرف اس نے شریعت موسوی کی سزا کو برقرار رکھا، دوسری طرف ایسی بداخلاقی کی تحریکات کا بھی سدِّباب کر دیا اور یقیناً اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ پس اگر عورتوں اور مردوں میں خلاملا نہ ہو سکے، دونوں کے مقامات تفریح علیحدہ ہوں، ان کو تھیٹروں اور تماشوں میں جانے کی اجازت نہ ہو وہ کسی طرح اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کر سکیں، اور کسی طرح مردوں کو انھیں ایذا دینے کا موقع نہ مل سکے اور قوانین تعزیری میں بدکاری کو سنگین جرم سمجھا جائے اور قتلِ عمد کی طرح اس کی سزا موت ہو تو بلاشبہ ان کو صرف جلابیب کے پردے پر قناعت کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن جب ایسی صورت ممکن نہ ہو تو وقرن فی بیوتکن ہی پر خواتین کو عامل ہونا چاہیے۔

یہاں ایک ہندو قابل خاتون چاندرانی[1] کے یہ الفاظ غور کرنے کے قابل

[1] ماخوذ از کتاب "وہ ہماری مشکلات"

ہیں کہ۔

"بہت بھائی پردہ سسٹم کو بُرا سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ پردہ کا رواج نہ رہے۔ مگر پردہ سسٹم کا ہونا اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ پرش اپنے من کو شدہ نہ کرلیں"

کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ انسان کے دل اتنے صاف ہوجائیں گے۔ مگر کبھی وہ زمانہ نہیں آسکتا جب تک کہ انسان میں تمام تر صفات ملکوتی نہ پیدا ہوجائیں۔ اور ان صفات کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ ہاروت، ماروت کا مشہور قصہ شہادت دیتا ہے کہ فرشتے بھی اس دنیاوی زندگی میں اپنے صفات کو زائل کرلیتے ہیں۔

دراصل پردہ کا تعلق اُس غیرت سے ہے جو ننگ و ناموس کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور غیرت ایک ایسی شریف صفت ہے جس سے انسان خاص طور پر ممتاز کیا گیا ہے۔ اور خصوصاً مردوں کے لئے تو جوہر مردانگی ہے۔ اس صفت کا کچھ حصہ بعض جانوروں کو بھی دیا گیا ہے اور یہ جانور اپنی غیرت کے لئے مشہور ہیں اور کبھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ اپنے جوڑے سے علٰحدہ رہیں یا ان کے حدود میں دوسرا ہم جنس رہ سکے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی غیرت بھی انتہائی درجہ پر ہونی چاہیئے اسلام نے اگر عورتوں کو گھر میں بیٹھنے اور تمدنی زندگی سے بچنے کا حکم دیا ہے تو اُن کے

حقوق ایسے اعلیٰ رکھے ہیں جو باوجود تہذیب و تمدن کے انتہائی کمال کے ابھی تک متمدن ممالک کی عورتوں کو بھی حاصل نہیں، اور آج مصلحان ملک اُن کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مغربی خواتین بڑے بڑے کمیشنوں کی سفارشوں اور اپنی سوسائٹیوں اور معاونوں کے پُرزور مطالبات کے باوجود ابھی تک اِن کو حاصل نہیں کر سکی ہیں۔

اگر یہی سمجھ لیا جائے کہ پردہ ایک قید ہے تو یہ حقوق اس قید کا ایسا نعم البدل ہیں جس پر آزادی کو بھی رشک آتا ہے۔ اگر وہ حقوق ادا کئے جائیں تو عورت کو کبھی کوئی تکلیف جسمانی و روحانی نہیں ہو سکتی، اور اس کا دل سدا بہار پھولوں کی طرح ہمیشہ شگفتہ ہی رہے گا۔ عموماً یہ حالت تمام شریف گھرانوں میں نمایاں ہے، اور جہاں یہ حالت نہیں ہے وہاں بھی زیادہ تر شدت کے ساتھ اختلاف مزاج یا زوجین[۱] میں سے کسی ایک کی بدمزاجی اس کا باعث ہے۔ اس امر کی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ ایک مسلمان عورت اپنے گھر میں جس اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہے وہ اطمینان متمدن ممالک کی عورتوں کو نصیب نہیں۔ وہ عموماً جس طرح اپنے گھر کی مسرتوں سے بہرہ ور ہوتی ہے اُن مسرتوں کا وہاں شاذونادر اور بہت ہی خوش قسمت گھرانوں میں کچھ پتہ مل سکتا ہے۔ یہاں اُس کی روزی کی کفالت اس کے شوہر اور اس کے خاندان کے مردوں پر ہوتی ہے وہاں عورتوں کا بیشتر حصہ اپنی روزی کے لئے سخت محنتیں

[۱] میں نے اس مبحث پر ایک مستقل رسالہ ہدیۃ الزوجین کے نام سے لکھا ہے جس میں زوجین کے تمام حقوق بالتصریح بیان کئے ہیں۔ ۱۲

برداشت کرتا ہے جن کے خیال ہی سے تکلیف ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں گھر کے اندر عورت صحت سے محروم ہو جاتی ہے۔ لیکن وہاں کی خوشگوار آب و ہوا اور کھلی زمین پر اس سے بُری حالت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں جگہ اصول حفظانِ صحت کی عدم پابندی اور ناکافی و مُضر غذائیں اس کا سبب ہیں۔ وہ مغرب میں گھر کے باہر اپنے مرتبہ سے اتنی گر گئی ہے کہ تمام جرائم کا باعث اس کی ذات قرار دیدی گئی ہے اور اس پر مردوں کے لعن طعن کی بوچھار ہے۔ مگر مشرق میں گھر کے اندر وہ ایک معصوم روح ہے۔ اور بقول ایک مغربی خاتون[1] کے کہ

"مسلمان عورتوں کا پردہ بجائے ذلت کے دراصل ان کی تعظیم و عزت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔"

وہ سراپا عزت ہے۔ تاریخ کا جس قدر مطالعہ کیا جائے گا، اور حالات موجودہ کی جس قدر چھان بین کی جائے گی محض عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا، اور اُن کا تمدنی و معاشرتی زندگی میں حصہ لینا تمام اخلاقی خرابیوں کی بنیاد ہے۔ اور ان خرابیوں کو وہ تعلیم بھی جو عام طور سے دی جاتی ہے کچھ بھی رفع نہیں کر سکتی بلکہ اُن کی معاون بنتی ہے اور اعداد و شمار اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جن ممالک میں آزادی کے ساتھ نسبتاً تعلیم زیادہ ہے وہاں بداخلاقی بھی بڑھی ہوئی ہے۔ گویا اس آزادی سے تریاق بھی زہر بن گیا ہے۔

---

[1] Lucy M. G. Gornett.

بڑی بلند آہنگی سے کہا جاتا ہے کہ پردہ عورت کی ترقی کے لئے سدِ راہ ہے۔ اور جب تک اس کا وجود ہے عورت ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عورت کی ترقی کا مفہوم اور معیار کیا ہے اور کس حد پر اس کو ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے۔

مغربی نقطۂ نظر سے۔

"صنفِ نازک[لہ] کی حالت بہتر بنانے سے یہ مفہوم ہے کہ تمدنی و معاشرتی زندگی میں اس کو وہ پایہ دیا جائے کہ وہ بلا امتیاز جنس دنیا کے ہر کام میں آزادی سے حصّہ لے سکے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے جو ضرورت محسوس ہوئی وہ اس کے لئے اعلیٰ تعلیم کے دروازوں کا کھولنا تھا۔ ان تمام مراحل اور دشواریوں کا تذکرہ کرنا جن کو برداشت کر کے زنانہ تعلیم نے یہ مرتبہ پایا ہے ایک طول عمل ہے۔ اور اس کتاب کی تحریر کے مدّعا سے بعید۔ صرف اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ معدودے چند صیغے ایسے رہ گئے ہیں جن میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے سے قاصر ہیں اور اس رکاوٹ کے دفعیہ کے لئے پیہم کوششیں کی جا رہی ہیں۔

. . . .

اب وہ دنیا میں اسی قدر جفاکشی، مستقل مزاجی، اور اہلیت کے ساتھ مردوں

لہ ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا - ۱۲

Encyclopaedia Brittanica.

سے کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں، ادبی صیغوں مثلاً اخبار نویسی، تصنیفات، اور لائبریریوں کے سکرٹری شپ وغیرہ میں بھی ممتاز درجہ حاصل کیا ہے۔ تعلیمی صیغوں میں بھی ایک معقول تعداد موجود ہے۔ لیکن ہر عورت ڈاکٹر عالم اور وکیل نہیں بن سکتی۔ امریکہ، فرانس، ڈنمارک، اور یورپ کی سلطنتوں میں عورتوں کو بیرسٹری کرنے کی اجازت ہے مگر انگلستان میں صرف مختاری یا وکیلوں کی منشی گری کر سکتی ہیں۔

اس لئے یہ صرف تعلیم کی بدولت ہے کہ ہم صدہا عورتوں کو اسکولوں، محکمہ حفظانِ صحت اور فیکٹریوں کی انسپکٹری، یتیم خانوں اور غریب خانوں کی مہتممی وغیرہ پر مامور پاتے ہیں۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد گرجاؤں، خانقاہوں، اور مشنریوں اور دیگر مذہبی سوسائٹیوں میں موجود ہے۔ صنعت و حرفت میں بھی انھوں نے ایک معتدبہ جگہ لی ہے۔ صدہا عورتیں کارخانوں اور کمپنیوں کی ایجنٹی کرتی ہیں۔ دوکانوں پر سودا فروخت کرتی ہیں۔ فرنیچر کی آرائش، زرگری، (قانونی فیصلوں کی نقلیں کرنا) اور پروف ریڈری کرتی ہیں۔ ٹائپ رائٹری، شارٹ ہینڈ، کلرکی آجکل ان کا خاص پیشہ ہو رہا ہے۔ زراعت اور باغبانی میں بھی حال میں حصہ لینا شروع کیا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے نہایت کامیابی کے ساتھ ڈاکٹری کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔"[1]

یہ حالت تو تمدنی اور معاشرتی زندگی کی ترقی کی ہے۔ لیکن اب سیاسی زندگی یہ ہو کہ

[1] از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا - ۱۲

"کوئی پولیٹکل جگہ ایسی نہیں جس پر عورت مامور نہ ہو سکتی ہو۔ ان کو بجز پارلیمنٹ کی ممبر بننے یا اس کے ووٹ دینے کے اور عموماً انتخابی حلقوں کے ووٹ کا اختیار ہے۔ اور اگرچہ وہ خود ممبر پارلیمنٹ نہیں بن سکتیں اور نہ ووٹ دے سکتی ہیں لیکن پھر بھی ووٹ دلانے میں ان کی کوششوں اور تقریروں کا بڑا حصّہ ہے۔ اور اب

وومینس سفریج WOMEN'S SUFFRAGE. کی تحریک

اس قید کو اٹھا دینے کے لئے نہایت زور شور سے جاری ہے اور گورنمنٹ ان کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو گئی ہے۔

کمیشن پر کمیشن بٹھائے جاتے ہیں۔ مسودہ قوانین پیش ہوتے ہیں۔ کہیں کامیابی ہو رہی ہے اور کہیں ناکامی اور کہیں مطالبات زیر غور ہیں۔

لیکن اس ترقی کے ساتھ جو تنزل ہوتا ہے وہ ان حقیقتوں سے ظاہر ہو گا کہ جن سے مغرب کی دُنیائے تمدن و تہذیب میں ہل چل پڑ گئی ہے۔ اور جس پر بڑے بڑے فلاسفر اور مُصلحانِ مُلک و ملّت غور کر رہے ہیں۔ اور نالاں ہیں کہ کیوں صنفِ نازک کو تمدّنی اور معاشرتی زندگی میں یہ مرتبہ دیا گیا کہ وہ بلا امتیازِ جنس دُنیا کے ہر کام میں آزادی سے حصّہ لیتی ہے اور مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہے۔

ڈاکٹر لیبان[۱] کہتا ہے کہ

"اسی مذہب (مساوات) کے بل پر عورت مرد سے مساویانہ حقوق اور مساویانہ تربیت کی

---

[۱] انقلاب الامم - ۱۲

خواستگار ہے اور دونوں جنسوں کی قوتِ عاقلہ میں جو فرق ہے اس کو بھول گئی ہے لیکن
اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہوگئی تو نہ یورپین مرد کو گھر ملے گا نہ طمانیتِ قلب حاصل کرنے
کے لئے کنبہ اور خاندان میسّر ہوگا۔"

برخلاف اس کے مسلمان عورتوں کا مفہوم ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض طبعی کو انجام
دے اور بمصداق۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○

(ترجمہ) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بی بیاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان کی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے۔ اور تم (میاں بی بی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا۔ جو لوگ سوچ سمجھ کو کام میں لاتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (قدرتِ خدا کی) بہتیری ہی نشانیاں ہیں"

اپنے شوہر کی تسکین کا باعث ہو اور بچوں کی تربیت و پرورش کرے گھر کو خاوند اور خاندان کے
مردوں کے لئے راحت کدہ بنائے اور اوقاتِ ضرورت میں ہر مشکل کے برداشت کرنے
اور محنت اُٹھانے کے لئے تیار رہے۔ مذہب و اخلاق کا روشن نمونہ ہو اور سب سے بڑھ کر
یہ کہ عفّتِ مجسم ہو اور غیرت و حیا اُس کا زیور ہو۔

اب میں دریافت کرتی ہوں کہ کیا تمدنی و معاشرتی زندگی میں یہ ترقی حاصل ہوسکتی ہے

اور کیا یہ ممکن ہے کہ عورت، وکیل، بیرسٹر، کلرک، انسپکٹر اور ملازمتوں کے دوسرے شعبوں میں جا کر مذکورۂ بالا فرائض کو انجام دے سکے۔ کیا اس امر کا امکان ہے کہ انتخابی جھگڑوں میں مبتلا ہونے کے ساتھ گھر کے کاموں کو بھی انجام دے، اور مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول کے نتائج سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی فطری کم زوری پر غالب آ سکے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی عقلمند انسان ایسے قیود و شرائط کو کبھی گوارا نہ کرے گا جو انسانی ترقی کے لئے سدِّ راہ ہوں خواہ وہ کسی ایک جنس کے لئے ہوں یا دونوں کے لئے۔

اسلام جس کا دعویٰ ہے کہ وہ انسان کی مادّی و روحانی ترقّی کے لئے پیغامِ بشارت لایا اور اُس نے دونوں جنس کو وہ حقوق عطا کئے جن سے اُن کی آزادی اور ترقّی کی راہیں کھل گئیں۔ کیونکر ممکن تھا کہ اس کے احکام میں کوئی حکم ایسا ہوتا جو ترقی کا سدِّ راہ ہو۔ لیکن اسلام غیر مکمل ہوتا اگر وہ فطرتِ انسانی کا لحاظ نہ کرتا۔ کیونکہ وہ تو عین فطرت ہے اس لئے اس کے تمام احکام میں اُصولِ فطرت ملحوظ ہیں یہ مسلّمہ مسئلہ ہے کہ انسان کی دونوں جنسوں میں فطری فرق ہے، اس لئے ان کے فرائض طبعی بھی جدا گانہ ہیں پس ان دونوں کے متعلق جو احکام ہیں وہ بھی اپنے فطری فرق پر مبنی ہیں۔ اور جب یہ فطری فرق موجود ہے تو لامحالہ ان کا مفہوم ترقی بھی یکساں نہ ہوگا۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب خدا نے نوعِ انسان کو دو اصناف میں تقسیم کیا ہے تو خود یہ تقسیم اس امر کا ثبوت ہے کہ دونوں کے فرائض جُدا جُدا اور دونوں کے

میدانِ عمل علیحدہ علیحدہ ہیں، اسی کے ساتھ دونوں میں جو قوی ہے اُس کا دائرۂ عمل وسیع اور جو ضعیف و نازک ہے اس کا دائرۂ عمل محدود ہے، صنفِ ضعیف کے لئے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ وہ ان حدود سے باہر نہ ہو جس سے اسکے فرائض کی انجام دہی میں خلل پیدا ہو اور وہ ان اثرات سے محفوظ رہے، جس سے خانگی زندگی میں نقائص اور خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور یہی پردہ کی غایت ہے جس کی ترتیب قریب یورپ وامریکہ کے مصلحین معاشرت تمنا کر رہے ہیں، ہمارے لئے یہ امر غور طلب ہے کہ جب تاریخ کی زبردست شہادت ہمارے سامنے ہے کہ بے پردگی سے قوموں کا انجام حسرتناک ہوتا ہے اور خود اس زمانہ میں ہم اسکے نتائج کا مشاہدہ کر رہے ہیں، تو پھر ترکِ پردہ کی آرزو کہاں تک جائز ہو سکتی ہے، ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنی پُر امن و پُر سکون زندگی کو پُر فساد اور مصیبت خیز زندگی سے تبدیل کریں، اگر ہم کو موجودہ ادبار و پستی سے نکل کر بلندی کی طرف جانا ہے، تو ہمارے لئے رسمِ پردہ نہایت ضروری ہے، جو خانگی اطمینان اور سکون کا ضامن ہے بے پردگی کی زندگی کیوں اختیار کی جائے، جس میں قدم قدم پر خطرات اور مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے، اگر ہماری مستورات قیدِ پردہ سے آزاد کر دی جائیں گی تو ترقی حاصل ہونا تو ممکن نہیں، البتہ یہ امر یقینی ہے کہ قوم کی ہستی ہی فنا ہو جائے اور جیسا کہ تجربہ بتاتا ہے کہ نئے طرزِ تمدن نے ہمارے نوجوان مردوں کو جدید تعلیم کے اعلیٰ محاسن اور تمدن یافتہ اقوام کی تہذیب و تمدن کی اصلی خوبیوں کے حاصل کرنے کے بجائے اُن کے تمدن کے معائب اور خرابیوں کی نقل اُتارنے میں مصروف کر رکھا ہے، بعینہٖ یہی حالت

ہو جائے گی اور اُس وقت ایک مسلمان کا گھر اور باہر دونوں علم کے بغیر، صرف نمائش، وضعداری، فضول خرچی، اسراف اور عدم انبساط ازدواج کا مرکز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو اس سے محفوظ رکھے اور صراطِ مستقیم کا راستہ دکھائے۔

عورتوں کے فرائض طبعی کے لحاظ سے ان کے اعضاء کی ساخت تک میں فرق رکھا گیا ہے اور فطری ضرورتوں کے ہی مطابق ان کو قوتیں بھی عطا کی گئی ہیں اور یہ فرق ہر درجۂ زندگی میں نمایاں ہے بعض عورتیں محض فیشن یا کسی شوق و نمائش کی غرض سے مردانہ لباس اور حرکات و سکنات کا اظہار کیا کرتی ہیں، اور بعض مرد زنانہ چال ڈھال وضع اختیار کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ باتیں طبیعتِ ثانیہ ہو جاتی ہیں، اسی لئے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۵۱] کہ لعنت ہے اُس عورت پر جو مردوں سے مشابہت کرے اور لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں سے مُشابہت کرے۔

عموماً پردہ اور تعلیم نسواں کی بحث میں مسلمانوں کے دورِ ترقی اور عہدِ عروج کی ان مسلمان خواتین کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جو علمی قابلیت اور اوصافِ بہادری و شجاعت میں ممتاز تھیں علمی مباحث میں حصہ لیتی تھیں، علم و فضل اور عقل و فراست میں مردوں پر سبقت لے گئی تھیں، لڑائیوں میں شرکت کرتی تھیں، بہادری و شجاعت میں مردوں کے ہم پلہ بلکہ کبھی کبھی ان سے بھی بڑھ گئی تھیں، ان صحیح مثالوں کے ساتھ ساتھ اس

[۵۱] بخاری شریف کتاب اللباس ۱۲

زمانہ کے خلفاء اور بادشاہوں کے درباروں کے مرقع بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ عورتیں آزادی سے اِدھر اُدھر آتی جاتی تھیں، اور مردوں کے جلسوں میں شریک ہوتی تھیں، بازاروں میں پھرتی تھیں، مسجدوں میں اُن کی موجودگی عجب شان و شوکت پیدا کرتی تھی، وہ مسجدوں میں اس طرح معلوم ہوتی تھیں جس طرح موسم بہار میں سبزہ زار کے اندر پھول نظر آتے ہیں وہ بڑے بڑے کالجوں، درسگاہوں اور شفاخانوں کی بانی تھیں اور خود منتہی طلبا کو درس دیا کرتی تھیں، اسی حالت کے ساتھ ان میں سے بعض کو شاعری اور گانے بجانے میں کمال حاصل تھا، شاہزادیاں اور دوسری معزز خاتونیں آپس میں مل کر گاتی تھیں، بانسری اور ستار کا بجانا عام تھا، ان کا لباس اُس زمانہ کے فیشن کا نمونہ ہوتا تھا، اور وہ خود فیشن کی موجد ہوتی تھیں، زیور اور بناؤ سنگار کی انتہائی شوقین تھیں، پوڈر اور عطر کا عام استعمال ہوتا تھا، اور اُن کے لباس کا شوق دیوانگی کی حد تک پہونچ گیا تھا، ان کے محل اور گھر اُن تمام نفیس مصنوعات سے جو بہتر سے بہتر قسم کے تھے آراستہ ہوتے تھے۔

لیکن ان واقعات کے بیان کرنے اور مثالوں کے پیش کرنے میں ہمارے مخالفین اس زمانہ کی پوری حالت کا نقشہ نہیں کھینچتے اور مختلف اچھے بُرے واقعات کو بلا تمیز مخلوط کرکے بیان کرتے ہیں، اس لئے اس زمانہ کی حالت کی صحیح تصویر اُن کے بیان سے نظر نہیں آتی۔

بے پردگی کے بعض ایسے واقعات جن کو ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں صرف

محاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں جن کو اسلامی لٹریچر میں افسانہ اور ناول کا درجہ دیا گیا ہے، اس لئے ان کو مستند تاریخی واقعات نہیں کہا جا سکتا، لیکن اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت خراب ہو گئی تھی اور یہ اس کے نتائجِ بد تھے جن سے احتراز لازم ہے۔ عہدِ نبوّت و خلافت میں عورتوں کی زندگی بالکل احکام قرآن و حدیث کے ماتحت تھی، اور ناممکن تھا کہ کوئی عورت یا مرد ان احکام کی خلاف ورزی کر کے حدِ سزا سے بچ سکے، عورتوں کی ستر و حیا اور گھر سے باہر نکلنے وغیرہ کی حالت احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے جو ہر مرحلۂ زندگی اور ہر دور میں مسلمانوں کے لئے قابلِ تقلید ہے، اسلام نے عورت اور مرد کے اختلاط کو ہر موقع پر روکا ہے، حتیٰ کہ مسجدوں میں عورتوں کو مردوں کی صفوں میں ہرگز جگہ نہیں ملتی تھی بلکہ بعض اماموں اور فقیہوں کے نزدیک عورت کے سامنے گذرنے یا پاس کھڑا ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مسجدِ نبوی میں ان کی صفیں لڑکوں کے پیچھے ہوتی تھیں لڑکوں کے آگے مردوں کی صفیں ہوتیں فراغت نماز کے بعد تمام مرد اپنی اپنی جگہ پر اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ عورتیں اپنے اپنے گھروں تک پہنچ جائیں مسجدوں میں ان کے آنے جانے کا دروازہ بھی علیحدہ ہوتا تھا مسجدِ نبوی میں عورتوں کے لئے حضرت عمرؓ نے الگ دروازہ بنوا دیا تھا، طوافِ کعبہ میں بھی دونوں علیحدہ رہتے تھے، غزوات میں جب عورتوں کے جانے کی ضرورت پیش آتی تھی جہاں وہ اپنی غیرت و شجاعت کے اوصاف نمایاں کرتی تھیں تو وہ پچھلی صفوں میں رکھی جاتی تھیں خلافت راشدہ کے بعد بنوامیّہ کا دورِ حکومت آیا، اور اسلام کے احکام کی بجا آوری میں کسی قدر سستی

پیدا ہوئی، تاہم یہ زمانہ مسلمان عورتوں کے لئے برا نہ تھا، اور ان میں احکام کی پابندی زیادہ تر باقی رہی، عباسیہ کے دور میں جب تمدن انتہائے عروج کو پہنچ گیا اور مختلف قوموں نے مل جل کر بغداد کے گذرگاہوں اور بازاروں میں ایک ایسا تمدن پیدا کیا جس کو اسلام سے بہت کم تعلق تھا، یہ حکم اکثریت پر لگایا جاتا ہے، استثنائی صورتیں تو ہر قاعدہ میں ہوتی ہیں اس وقت جہاں ایک طرف حکومت اسلامی کو عروج ہو رہا تھا وہاں بعض اوقات ایسے خلفاء بھی حکمراں ہوتے تھے جو عیش و عشرت کے لئے ہر قسم کا شرعی حیلہ تراش لیتے تھے اور زر پرست علماء کو ان کی مرضی کے مطابق فتوائے شرعی دینے میں کچھ تامل نہ ہوتا تھا، یزید بن عبدالملک بن مروان کے سامنے چالیس سفید ریش لوگوں نے شہادت دی کہ خلیفۂ وقت جو کچھ کریگا نہ اس کا حساب لیا جائیگا نہ اس پر عذاب ہوگا، یزید بن عبدالملک نے یہاں تک جسارت کی کہ اس نے صرف اس لئے حج کا ارادہ کیا کہ خانۂ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پیے، ایک خلیفہ نے جمعہ کی امامت کے لئے اپنی ایک بیگم کو مردانہ لباس پہنا کر بھیجدیا، جس پر عامۂ مسلمین میں سخت برہمی پیدا ہوئی۔ کنیزوں کا رکھنا، شراب کا پینا موسیقی اور اس کے ساتھ تغزل ان درباروں میں عام طور پر رائج تھا، عیش پرستی کے لئے ایک ایک خلیفہ کی سینکڑوں کنیزیں ہوتی تھیں، اور متوکل کی تو چار ہزار کنیزیں تھیں، اسلام نے خاص خاص شرائط اور حدود کے اندر جاریہ رکھنے کی اجازت دی تھی اور گانے بجانے کے لئے لونڈیوں کو تعلیم دینے اور ان کی بیع و شرا کرنے کی ممانعت کی تھی، لیکن اس زمانہ میں یہ

طریقہ نہایت غیر معتدل ہوگیا تھا، اور اس نے عیش پرستی کی صورت اختیار کرلی تھی خلفا کے محلسرا ناچ اور گانے کے منڈوے بن گئے تھے، ہارون رشید کے قصر میں تین سو لونڈیاں تھیں جو ناچنے گانے اور بجانے پر مامور تھیں، یہی لونڈیاں ہیں جن کو گانے بجانے، اور آدابِ محفل کی تعلیم دی جاتی تھی، اور وہی خلفا کی مجلسوں میں شریک ہوتی تھیں، اور بازاروں میں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، لیکن پھر بھی عام آزادی نہ تھی، بلکہ شرفا میں پردہ جاری تھا۔

بغداد کے تمدن پر فرضی سفرنامے کے طور پر عربی زبان میں ایک جدید کتاب "حضارۃ الاسلام فی دارالاسلام" کے نام سے لکھی گئی ہے اس میں ایک باب خاص طور پر وہاں کی عیش پرستی کا باندھا گیا ہے، لیکن اس میں اس کا تعلق صرف لونڈیوں کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے شریف عورتوں کے بعض واقعات جو نقل کئے ہیں اس سے بالکل مختلف نتائج نکلتے ہیں۔

الغرض یہ واقعات اُس زمانہ کے محاسن میں نہیں بلکہ معائب میں سے ہیں، جس طرح موجودہ زمانہ کے معائب اور خرابیوں کو کسی آیندہ زمانہ میں بطور استدلال کے پیش کرنا غلطی ہے، اسی طرح کسی پہلے زمانہ کے معائب اور خرابیوں کو جو صریحاً احکام اسلامی کے خلاف ہیں، دلائل جواز کے کام میں لانا یقیناً فریب دہی ہے۔ چنانچہ جس زمانہ میں اس بے پردگی کے آثار کبھی کبھی نظر آتے ہیں اُس زمانہ کے علما، صلحا، اور مصلحین کی تحریریں پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ وہ اُن کو کس قدر بُرا اور خلاف شریعت سمجھتے تھے۔

علاوہ بریں ان بے پردہ واقعات کا ذکر تاریخ میں نہیں بلکہ زیادہ تر محاضرات اور الف لیلہ وغیرہ قصہ کہانیوں کی کتابوں میں ہے جن کا کوئی تاریخی اعتبار نہیں تاہم اصلی بُرائیوں کو چھوڑ کر یہ کبھی بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان مقامات میں بھی عورتیں بلا نقاب شریک ہوتی تھیں، بلکہ تاریخی کتابوں کو چھوڑ کر اس عہد میں الف لیلہ وغیرہ جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی کبھی کوئی مسلمان عورت بازاروں اور گلیوں میں کھُلے منہ، بلا برقع ونقاب نظر نہیں آتی، اور یہ بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ اسلام میں پردہ اور تستّر ہمیشہ سے اُس کے تمدّن کا جُزر رہا ہے اب اسی زمانہ کے تاریخی واقعات ملاحظہ کیجئے۔

مامون الرشید کے زمانہ میں جو اس تہذیب وتمدّن کے لئے بہت مشہور ہے شرعی پردہ کا رواج تھا، اور منہ کھول کر مردوں کے سامنے آنے کو بُرا سمجھا جاتا تھا،

ہارون الرشید کی بہن عبّاسہ اور اُس کے وزیر جعفر کے عقد کا واقعہ اگرچہ بہت مشتبہ ہے بعض مورخین اس کو غلط کہتے ہیں اور بعض صحیح تاہم جو مورخ اس کو صحیح سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ رشید کو جلسۂ شراب میں بغیر جعفر وعباسہ کے صبر نہ آتا تھا، اس لئے اس نے جعفر سے کہا کہ میں عباسہ کا نکاح تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں تاکہ تم کو اُس کا دیکھنا جائز ہو جائے۔

خود ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون نے جو اُس زمانہ میں سب سے زیادہ ممتاز ملکہ تھی اپنے بیٹے امین کے مرثیے میں جبکہ وہ مامون الرشید کے مقابلہ میں ظاہر کے

حکم سے قتل کیا گیا تھا، طاہر سے خطاب کرکے لکھا ہے۔

"خدا طاہر کو پاک نہ کرے، نہ وہ طاہر ہے نہ مطہر مجھ کو کھلے منہ اور کھلے بالوں گھر سے نکالا۔"

اندلس کی ترقی کے زمانہ میں بھی جبکہ عورتیں علمی قابلیت اور شجاعت میں مشہور تھیں بلا نقاب باہر نہیں نکلا کرتی تھیں، خلفاء عباسی کے زمانہ میں یہ بھی مثال ہے کہ ایک خاتون نے یہاں تک پردہ میں شدت کی تھی کہ اس نے اپنے ایک نہایت قیمتی کپڑے کو اس لئے استعمال کرنا پسند نہ کیا کہ اس پر نامحرم کی نظر پڑی تھی۔ یہ کپڑا اس قدر قیمتی تھا کہ اس کی قیمت سے ایک نہایت عالی شان مسجد تیار کی گئی۔

چھٹی صدی ہجری کا مشہور سیاح ابن جبیر قاہرہ اور اسکندریہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس شہر کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہاں کی عورتیں نہایت محفوظ طریقہ سے رہتی تھیں اور گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں، کوئی عورت کسی گلی میں نہیں نکلتی اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کے پردہ کا اثر عیسائی عورتوں پر بھی تھا۔ چنانچہ یہی سیاح لکھتا ہے کہ

"اس شہر کی نصرانی عورتوں کی وضع مسلمان عورتوں کی سی ہے وہ دوپٹہ اوڑھ کر اور نقاب ڈال کر اس عید میں نکلیں زریں حریر کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں، سنہرے موزے تھے، اور رنگ برنگ کے نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ اور اپنے گرجا میں مسلمانوں کی تمام زینتوں یعنی زیور، مہندی اور عطر سے آراستہ ہو کر گئیں۔"

مکہ معظمہ کے حالات میں لکھتا ہے۔

"جمعرات کا دن صرف عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے اور مردوں نے ان کو طواف کا موقع دیا۔ خانہ کعبہ کے گرد کوئی مرد نہیں رہا۔"

پانچویں صدی کا سیاح حکیم ناصر خسرو مصر کے حکمراں المعز لدین اللہ کے زمانہ کے حالات میں لکھتا ہے۔

"اس حاکم کے زمانہ میں ہرگز شراب پینے کی رسم وہاں نہ تھی اور کوئی عورت گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔"

ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری کا سیّاح جب تبریز میں ترک و تتر کی عورتوں کو جوہریوں کی دوکانوں پر جہاں نوعمر اور خوبصورت ملازم جواہرات بیچنے پر مامور ہوتے تھے۔ بے پردہ خرید و فروخت کرتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ اُس طرز خریداری میں مجھے فتنہ کا یقین ہوا جس سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیئے۔

یمن کے شہر زبید میں جو اپنے تمدن و معاشرت کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز تھا عورتیں محملوں میں بیٹھ کر نخلستان میں جاتی تھیں۔

پانچویں صدی ہجری کی ابتدا میں القادر باللہ نے جو ایک نہایت فقیہ اور احکام شریعت کا پابند خلیفہ تھا۔ عورتوں کو رات یا دن میں راستوں میں نکلنے سے قطعی منع کر دیا نغمہ و سرود کے رواج کو محمد بن ہارون نے مٹایا القاہر باللہ نے چوتھی صدی میں گانے والی کنیزکوں کو رکھنے سے منع کر دیا۔ ان کو بیچ ڈالنے کا حکم دیا، گویّوں کو گرفتار کر لیا مخنثوں

کو شہر بدر کرادیا آلات لہو کو توڑ ڈالا، شراب کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا حالانکہ خلیفہ خود سخت شراب پیتا تھا۔ اور کبھی گانا سننے سے سیر نہ ہوتا تھا۔

الغرض وہ خلفا اور بادشاہ جو مذہب کے پابند ہوتے تھے ہمیشہ پابندی شریعت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور مفاسد کی اصلاح کردیا کرتے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے تمدن و تہذیب کا عروج عہد سلطنت مغلیہ میں تھا لیکن باوجودیکہ اکثر بادشاہ عیش و عشرت میں مبتلا رہے اور ان کا حرم بھی کنیزوں سے معمور رہا لیکن انھوں نے پردہ میں نہایت اشتداد کیا۔

نورجہاں بیگم جو اپنی قابلیت اور شجاعت میں مشہور ہے پردہ کی اتنی پابند تھی کہ ایک مرتبہ جب وہ غرفہ محل میں کھڑی ہوئی تھی تو اس نے ایک غیر محرم شخص کی اتفاقیہ نظر پڑجانے پر اسے گولی ماردی۔

مرحوم مولانا شبلی[۵۱] نے گلبدن[۵۲] بیگم کی کتاب ہمایوں نامہ پر جو ریویو لکھا ہے اس میں عورتوں کی آزادی کے متعلق متعدد واقعات لکھے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ

"لیکن ہمارے زمانہ کے پردہ شکن گروہ کو یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ ان سب باتوں کے ساتھ عورتیں نامحرم سے پردہ کرتی تھیں اور بغیر نقاب اور برقع کے باہر نہیں نکلتی تھیں، ہمایوں نے نکاح سے پہلے جب حمیدہ بانو بیگم کو بلایا ہے تو اس نے کہا کہ "آداب سلطنت کے لحاظ سے ایک دفعہ میں بادشاہ کے سلام کو جاچکی ہوں

---

۵۱ الندوہ۔ ۵۲ گلبدن بیگم شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور ہمایوں نامہ کی مصنفہ تھی۔ ۱۲

دوبارہ جانا نامحرم کے سامنے جانا ہے۔" چنانچہ خود حمیدہ بانو بیگم کے الفاظ یہ ہیں۔

"دیدن پادشاہان یک مرتبہ جائز است و مرتبۂ دیگر نامحرم است" چنانچہ جب تک شادی نہیں ہوئی کبھی ہمایوں کے سامنے نہیں آئی۔

اسی کا مؤید ایک دوسرا واقعہ ہے کہ جب ہمایوں کا وقت نزع تھا خاندان کی تمام بیگمات اس کے آس پاس جمع تھیں اور عائدین سلطنت چاہتے تھے کہ اس وقت یہ بیگمات یہاں سے اٹھ جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی تو یہ کہہ کر ان سب کو اٹھایا کہ اطبا و حکما بادشاہ کے دیکھنے کو آتے ہیں چنانچہ گلبدن بیگم اسی تذکرہ میں لکھتی ہے کہ

"عمہ ما را و مادران ما را بہ بہانہ برآوردند کہ طبیبان و حکیماں برائے دیدن می آیند ہمہ برخواستند، ہمہ بیگیان را و مادراں مرا بخانہ کلاں بردند"[۵۱]

جہاں آرا بیگم[۵۲] (بنت شاہ جہاں بادشاہ) ایک نہایت لائق اور صاحب علم بیگم تھی ایک دفعہ وہ باغ کی سیر کو نکلی، ایران کا ایک گستاخ شاعر میر صیدی طہرانی کہیں چھپکر بیگم کی سواری کا تماشا دیکھ رہا تھا، بیگم کا ہاتھی جب پاس سے گزرا تو اس نے یہ شعر پڑھا ؎

برقع برخ افگندہ برد ناز بہ باغش
تا نکہت گل بیختہ آید بہ دماغش

باغ میں چہرہ پر برقع ڈال کر اس لئے جاتی ہے کہ دماغ میں پھول کی خوشبو چھنکر جائے بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں لائیں، شعر پڑھوا کر سنا اور پانچ ہزار انعام دیا، لیکن اس

---

۵۱ ہمایوں نامہ صفحہ ۲۵۔ ۵۲ ماخوذ از مقالات شبلی تذکرہ زیب النساء ۱۲۔

گستاخی کی سزا میں حکم دیا کہ شہر بدر کر دیا جائے،

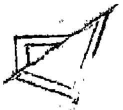
تیموری بیگمات میں سے اکثر بیگمیں اپنی لیاقت اور کمالات میں مشہور ہیں، مگر کسی جگہ یہ نظر نہیں آتا کہ وہ بے پردہ اور بے نقاب مجمع عام میں موجود رہی ہوں۔

ساتویں صدی کے مشہور اہل اللہ اور بزرگ حضرت امیر خسرو[1] نے اپنی لڑکی عفیفہ مستورہ کو جو نصیحتیں کی ہیں، ان میں جابجا نہایت شد و مد سے پردہ کی تاکیدیں ہیں۔

بادشاہوں اور امراء کے علاوہ عام مسلمانوں میں پردہ کا رواج اور بھی سخت تھا، چنانچہ جو عورتیں درس دیا کرتی تھیں ان کی نسبت ظن غالب یہی ہے کہ وہ اس عمر پر پہونچکر جبکہ وہ پردہ سے مستغنی ہو جاتی ہیں، بلا پردہ اس علمی خدمت کو انجام دیتی تھیں یا برقع و نقاب میں، کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ حدیث و فقہ کا درس ایسی حالت میں دیں کہ خود اس کے خلاف عمل کر رہی ہوں، چنانچہ اس کی مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔ بہرحال جہاں تک واقعات اور تاریخ کی چھان بین کی جائیگی اُسی قدر ثابت ہوگا کہ ہر زمانہ میں مسلمان عورتیں اوّل تو عموماً گھروں کے اندر ہی رہی ہیں اور اگر گھروں سے کبھی باہر نکلی ہیں تو حجاب شرعی کے ساتھ، حتیٰ کہ عیش پرست خلفاء کے زمانہ میں بھی ان کا حجاب شرعی قائم رہا ہے اور اگر کہیں بے پردگی کی کچھ مثالیں مل سکتی ہیں تو وہ ان ہی کنیزوں کی ہیں جو مختلف اقوام اور مختلف بلاد سے خرید کی جاتی تھیں، اور پھر کسی خلیفہ کے زمانہ میں خواہ وہ کیسا ہی حدود و قیود شرعی سے آزاد رہا ہو عورت مردوں کے میل جول کے وہ مواقع نظر نہیں آتے

---

[1] درۃ التاج خسروی ۱۲



نہ کہیں ایسے قہوے خانوں کا وجود نظر آتا ہے، جہاں یہ دونوں
نہ ایسے تماشا گاہ معلوم ہوتے ہیں جن میں حیا سوز مرقع نظر آئیں اکثر
مہمان نوازی کے واقعات بھی بے حجابی کے دلائل میں بیان کئے گئے ہیں، مگر
ان کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح دیہاتی عورتیں اپنی سادگی اور پاکبازی کی وجہ سے
شہر والیوں کی طرح سخت پردہ کی پابند نہیں ہوتیں۔ اسی طرح وہ بھی رہتی تھیں تاہم جن
لوگوں کو سفر حج کا اتفاق ہوا ہے وہ عینی مشاہدہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن بدوی عورتوں
میں ذرا بھی تمیز ہے اور احکام اسلامیہ سے کسی قدر بھی واقفیت ہے وہ کبھی بھی بلا نقاب
اور برقع کے نہیں نکلتیں، اسی کے ساتھ بدّودن کا کیرکٹر نہایت عمدہ اور مضبوط ہوتا ہے
چنانچہ حضارۃ الاسلام فی دار السلام میں لکھا ہے۔

"بدّو بدکاری نہیں کرتے بلکہ زانیوں کو قتل کی سزا دیتے ہیں"

اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں عصبیت ہے اور دیہات میں وہ فواحشات بہت کم
ہوتے ہیں، جو شہروں میں تمدّن کی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوجاتے ہیں، ان کی عورتیں
بہ نسبت شہر کی عورتوں کے سادہ معاشرت رکھتی ہیں، اور سادہ غذا پر بسر کرتی ہیں، مردوں
میں بھی حیا اور ناموس کی عزت کا احساس بدرجۂ اتم ہوتا ہے۔

پردہ کی ضرورت شہر میں زیادہ ہوتی ہے، اور جس قدر کسی شہر کا تمدّن بڑھتا جائیگا
پردہ کی ضرورت سخت ہوتی جائے گی، جہاں ہر قسم کے بُرے بھلے لوگ ہوتے ہیں دیہات
میں اب بھی پردہ کی چنداں پابندی نہیں کی جاتی، کیونکہ وہاں عصمت کی محافظ مردوں اور

عورتوں کی سادہ زندگی اور اسباب تعیش کی عدم موجودگی اور پاکبازی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ عورت کی ترقی کا آفتاب مغرب میں نصف النہار پر ہے اور وہ ہر جگہ مختلف حیثیتوں میں مردوں کی طرح تمدنی زندگی میں حصہ لے رہی ہے، شریف خاندانوں اور نجیب طبقوں میں شہروں کی فیشن ایبل زندگی سے دیہات کی سادہ زندگی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور عموماً عام لوگوں سے ملنے جلنے میں احتیاط برتی جاتی ہے اور یہ حالت کسی ایک ملک کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ ہر ملک میں دیہاتی عورتیں بہ نسبت شہری عورتوں کے زیادہ پاکباز ہوتی ہیں،

لوسی، ایم، جی گارنٹ صاحبہ[1] اپنی کتاب ویمن آف ٹرکی "ٹرکی کی عورتیں" میں کُرد عورتوں کے پردہ کی بابت لکھتی ہیں،

"دیہات کی عورتیں جب قافلے کے ساتھ کوچ کرتی ہیں تو اپنے چہروں کو کسی قدر رومال سے چھپا لیتی ہیں، خدمتگار مردوں کو بخلاف ترکوں کے گھر کے اندر آنے سے روکا نہیں جاتا، اور مرد مہمان کی مدارات بے کھٹکے عورتوں کے روبرو ہوتی ہے، باوجود اس ظاہری آزادی کے کُرد عورتیں اپنی نیک چلنی کا بہت پاس رکھتی ہیں نہ تو وہ مثل ارمنی عورتوں کے بزدل ہیں، اور نہ مثل عثمانی مستورات کے واہیہ ہیں، اقلیم عثمانیہ کی تمام اقوام میں ان عورتوں کی اخلاقی حالت نہایت ہی اعلیٰ ہے

[1] Lucy M.G. Garnett. Women of Turkey ۵۱.

اگر عورت سے ذرا بھی بدعنوانی سرزد ہوتی ہے تو مرد فوراً اُسے قتل کر ڈالتا ہے،
اور کنبے والے بجائے تعرض کے اُلٹا اُس کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسی بہت سی
حکایتیں مشہور ہیں، کہ فلاں موقع پر بغداد کے ایک گرد کپتان نے اپنی عورت کی
بدمعاشی کا حال سُن کر پوشیدہ طور پر گھر آکے اُسے اور اُس کے عاشق کو جان
سے مار ڈالا۔ اسی طرح ایک پندرہ سالہ لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کو اور اُس کے ناجائز
دوست کو جبکہ اس کا باپ کسی نواح کے رئیس سے کسی تنازعہ کے لئے پردیس
گیا تھا مار ڈالا۔ ان دونوں حالتوں میں قاتلوں کی تعریف ہوئی اور مقتولین کے
رشتہ داروں نے حکام سے چارہ جوئی نہیں کی بلکہ کوئی ان کی تعزیت اور ماتم
پرسی کو بھی نہیں آیا۔

البانیوں کے متعلق لکھتی ہیں۔

"البانی اپنی عورتوں کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ ان جھگڑوں میں بھی خواہ کیسا ہی
غصہ ہو عورت پر حملہ کرنا بے ادبی خیال کیا جاتا ہو اگر کوئی شخص کسی عورت کو بھگا لے جائے
یا اور کسی قسم کی بے حرمتی عورت کی شان میں اس سے سرزد ہو تو بڑی خونریزی
واقع ہوتی ہے اگر کوئی البانی عورت زنا کی مرتکب ہو تو اس کو کندھوں تک ایک
غار میں بٹھا کر سنگسار کر دیتے ہیں۔ اس کے شوہر کو حق ہوتا ہے کہ اپنی منکوحہ
سے زنا کرنے والوں کو فوراً مار ڈالے۔ لیکن ایسے اتفاقات کم ہوتے ہیں۔

تاتاری خانہ بدوش عورتیں بھی گھر سے باہر برقع کا استعمال کرتی ہیں۔

البانیہ کے بعض مقامات میں تو یہ حالت نہ صرف مسلمانوں کی ہے بلکہ عیسائی عورتیں بھی برقع کا استعمال کرتی ہیں۔

مروایت عورتیں سپید اونی کوٹ، سُرخ پاجامے، اور ایک نیلا رومال استعمال کرتی ہیں، عیسائی عورتیں بھی اسی طرح کا لباس پہنتی ہیں۔ لیکن اس کا رنگ زرد ہوتا ہے ترکی مسلمان عورتیں جب باہر جاتی ہیں تو یشماق (برقع) اور فریجہ (عبا) پہنتی ہیں، عیسائی عورتیں بھی اگر وہ مسلمانوں کے قریب آباد ہیں تو یہ دونوں چیزیں استعمال کرتی ہیں۔ لیکن ان کا عبا مختلف وضع ہلکے سُرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اس کے اوپر صلیب کی شکل بنی ہوتی ہے۔

اور جس غیرت کا ظہور ان مسلمان عورتوں سے ہوتا ہے وہی حالت ان کی بھی ہے۔ مروایت پہاڑیوں میں عورتوں کی عفت کی بڑی دیکھ بھال ہے۔ اگرچہ ان کی عورتیں بڑی آزاد ہیں لیکن کنواری لڑکی گھر سے باہر نہیں نکلتی اور اپنے کسی عزیز سے بات بھی نہیں کرسکتی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے کسی دوست کی بہن کی نسبت چند آدمیوں کے سامنے ہنسی میں کہا کہ میں نے اُس کو ایک جوان آدمی سے باتیں کرتے سُنا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسٹر سنڈے کے دن عشائے ربانی کی رسم کے بعد وہ بیچاری لڑکی جس کی عمر ۱۵ سال سے بھی کم تھی علیٰ رؤس الاشہاد اُٹھی اور خدا کو اپنی پاکدامنی کا گواہ بنا کر ایک پستول سے اپنا کام تمام کیا، دو دن کے بعد مُتّہم بھی اس دوشیزہ کے بھائی کے ہاتھ سے مارا گیا۔"

(ویمن آف ٹرکی)

عام ممالکِ اسلامی میں اس حالت کے متعلق انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ایک مضمون نگار لکھتا ہے کہ

"اسلامی ممالک میں سوائے باپ، بھائی اور شوہر کے دیگر اعزا کے سامنے عورتیں مونھ پر نقاب ڈال کر آتی ہیں۔ اس رسم کی عدم پابندی ایک بہت بڑا اخلاقی جرم تصور کیا جاتا ہے اگر کوئی غیر شخص حرم میں داخل ہو جائے تو اُس کو جان سے مار ڈالنا جائز سمجھا جاتا ہے اگر کوئی حرم کی عورت حرم سے باہر نکل جانے کا ارادہ کرے تو مرد اس کے مار ڈالنے میں ذرا تامل نہ کرے گا۔ کم مہذب ممالک میں مرد کو اپنے حرم میں سے کسی نافرمان یا بدچلن عورت کو قتل کر دینا کوئی جرم تصور نہیں کیا جاتا۔"

افغانستان کے دیہات میں اگرچہ بوجہ مذہبی تعلیم عام نہ ہونے کے پردہ کامل معیار پر نہیں ہے لیکن وہاں قومی عصبیت انتہائی درجہ پر ہے اور ہر شخص اپنے ذاتی ناموس و عزت کی طرح دوسرے کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی واقعہ ہو جائے تو قومی طور پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک عورت کُندن نامی نے اس قسم کا ایک چشم دید واقعہ میرے سامنے بیان کیا کہ

"اُس کا شوہر ولایتی (افغان) تھا وہ اس کو ہندوستان سے اپنے ساتھ افغانستان لے گیا۔ دونوں میاں بیوی سالہا سال تک ایک گاؤں میں جہاں ان کا گھر واقع تھا مقیم رہے وہاں ایک بیوہ بھی رہتی تھی جس کے نزدیک مخفی طور پر کوئی غیر مرد آیا جایا کرتا تھا۔ اہل محلہ نے بیوہ کو سمجھایا کہ وہ اپنا

عقد کرے لیکن بیوہ نہ مانی - لوگوں نے مشتبہ ہوکر ٹوہ لینی شروع کی اور بالآخر ایک دن اُس شخص کی موجودگی کو معلوم کرکے اس بیوہ کا مکان اہل محلہ نے گھیر لیا تاکہ جب وہ نکلے تو گرفتار کر لیا جائے لیکن اس شخص کو بھی معلوم ہوگیا اور وہ اندر سے نکلا لیکن چونکہ اہل محلہ کو اُس کی موجودگی کا تیقن تھا وہ آواز دے کر اور اطلاع کرکے اندر داخل ہوئے ۔ تلاشی شروع کی اور گھاس بھری کوٹھڑی میں چھپا ہوا پایا۔ پہلے اس کو پکڑ کر ایک پلنگ پر رسیوں سے چوپنگ باندھا پھر بیوہ کو دوسرے پلنگ پر اسی طرح کس دیا دونوں پر سفید چادریں ڈالدیں اور جنازے بناکر صبح کو ایک میدان میں لے گئے وہاں سب نے ناچنا گانا شروع کیا۔ عورتیں ڈھول بجاتی تھیں اور مرد شہنائی بجاتے تھے اور کچھ برہنہ تلواریں ہاتھ میں لئے "وے، وے" کے نعرے مارتے تھے اور جب چکر میں اُن جنازوں پر تلوار کا وار کرتے تھے تو اُس وقت تمام عورتیں تالیاں بجاتی تھیں۔ مرد پھر "وے، وے" کے نعرے مارتے گذر جاتے تھے - غرض اسی طرح دونوں جنازوں کا قیمہ قیمہ کر دیا اور دفن کرکے اپنے اپنے گھروں کو واپس آگئے ۔"

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی سزائیں ضرور وحشیانہ متصور ہوں گی لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جہاں ایک ہی مذہب و قوم کے لوگ آباد ہوں اور ان میں اس درجہ عصبیت ہو تو اتنی بے پردگی کچھ زیادہ مضر نہیں ہوگی لیکن جب نہ تو قومی عصبیت ہو اور نہ تمدن و تہذیب ایسی سزاؤں کی اجازت دے مختلف المذاہب اقوام کے ساتھ

بود و باش ہو تولا محالہ پردہ اور وہ بھی سخت پردہ ضروری ہے لیکن کسی صورت میں پردہ ہماری تعلیم اور قومی و ملکی بھلائی کے کاموں میں حارج نہیں ہو سکتا۔ اب بھی اگر عورت و مرد کی سوسائیٹوں کو علیحدہ کر دیا جائے اور عورتوں کو ان کاموں میں جو ملک و قوم کی بھلائی کے لئے ضروری ہیں اپنے دائرہ میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے تو اگرچہ وہ قوانین نافذ نہیں ہیں لیکن سوسائٹی کی تفریق ان اثرات سے محفوظ رکھے گی۔ عورتوں کی سوسائٹیاں نہ شرعاً ممنوع ہیں اور نہ ان میں برائی کا احتمال ہے البتہ اگر ان سوسائٹیوں کا مقصد خود نمائی اور اظہار شان اور فیشن کی نمائش ہو تو ان کا وجود بھی مضر ہوگا۔ آج بھی عورتیں درس و تدریس کا کام کر سکتی ہیں لیکن یہ تو ضرور نہیں ہے کہ وہ پردہ سے باہر نکل کر اس مشغلہ کو اختیار کریں۔ اب بھی بعض بعض مقامات پر مدرسوں میں اور گھروں کے اندر مکتبوں میں عورتیں پڑھاتی ہیں۔ گھروں میں جو مکتب ہوتے ہیں اُن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھتی ہیں مگر یہ سب بچے نا سمجھ ہوتے ہیں اور جس طرح کہ مسلمان عورتوں نے زمانۂ سلف میں داد شجاعت دی تھی اس زمانہ میں بھی موقع پر ان سے یہی توقع ہے بلکہ اس توقع سے بھی زیادہ۔ اور شوہراً اس قسم کی مثالیں اخبارات میں نظر آتی رہتی ہیں۔ ان صفات کا تعلق بے پردگی سے نہیں ہے بلکہ ان خاص جذبات ملی اور قومی سے ہے جن کی تربیت مذہبی و وطنی اثر سے ہوتی ہے۔ قوموں کے اوقات مصیبت میں عورتوں کی امداد اُن کے قومی جذبات پر مبنی اور قومی ہستی کے فنا و بقا کے احساس کا نتیجہ ہے کہ ایسے موقعے قوموں کی عمروں میں شاذ ہی آتے ہیں۔

سنہ ۱۸۱۲ء میں جب بھوپال ایک شدید محاصرہ میں مبتلا تھا اور غنیم کی قوت اس قدر زیادہ تھی کہ ہر وقت شہر کے فتح ہو جانے کا اندیشہ تھا تو پردہ نشین عورتوں نے بھی کمال بہادری کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کیا اور شہر کو مفتوح ہونے سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح سنہ ۱۸۰۶ء میں جب قلعہ اسلام نگر پر حملہ ہوا تو اس کی مدافعت ایک خاتونِ حجلہ نشین موتی بیگم کی زیرِ قیادت کی گئی تھی۔

بلاشبہ عورتوں کے کاموں میں بعض کام ایسے ناگزیر ہیں جن میں اُن کو سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ مثلاً تعلیم، معالجہ وغیرہ۔ لیکن ایسی سوسائٹی بھی عورتوں سے بن سکتی ہے۔ عورت، عورت کو تعلیم دے۔ عورت، عورت کی معالج ہو۔ عورت عورتوں میں اخلاق و تعلیم و جذباتِ ملّی و امدادِ باہمی کے لیے بھی وعظ کہے اور تقریریں کرے اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ یہ سب پردہ کے اندر ممکن ہے اور زمانۂ پیشیں کی بھی مثالیں ہمارے سامنے ہیں اگر وہ اس طرح ایسے فرائض کو انجام نہیں دے گی اور آزاد سوسائٹی کی خواہش کرے گی تو اُن حدود سے متجاوز ہو گی جو خالقِ کائنات نے قائم کی ہیں اور پھر وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔



پردہ اور شریعت

پردہ اور قرآن

پردے کا یہ عالمگیر رواج جو تمام دنیائے اسلام میں جاری رہا کوئی جبری چیز نہ تھا بلکہ خود شریعت اسلام نے عورتوں کو اسکا پابند بنایا تھا، چنانچہ اسکے متعلق قرآن، حدیث، آثار صحابہ، اقوال فقہا، سب میں نہایت مشرح احکام موجود ہیں قرآن مجید نے پردہ اور پردہ کی تمام جزئیات کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کے متعلق کسی قسم کی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ قرآن مجید کا عام انداز یہ ہے کہ وہ صرف اصولی باتوں کو لیتا ہے اور جزئی امور کی تفصیلات کو پیغمبر کریم (صلعم) پر چھوڑ دیتا ہے مثلاً قرآن مجید میں نماز روزہ اور زکوٰۃ کا حکم ہے لیکن ان کے تمام جزئیات کی تعیین و تحدید احادیث سے معلوم ہوسکتی ہے، اس بنا پر اگر قرآن مجید میں کسی حکم کے ساتھ اس کے تمام جزئیات کی تفصیل بھی مذکور ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ جزئیات ضمنی اور فرعی نہیں ہیں بلکہ اصول ہیں داخل ہیں۔ قرآن مجید میں پردہ کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کے تمام جزئیات بھی مذکور ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ معمولی احکام نہیں ہیں بلکہ نہایت اہم اور ضروری ہیں، چنانچہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ ان تمام آیات کو یکجا جمع کیا جاتا ہے پردے کا حکم سب سے پہلے ازواج مطہرات کو دیا گیا اور حسب اختلاف روایات ذی قعدہ ۵ھ یا ۳ھ میں یہ آیت

نازل ہوئی۔

يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يؤذن لكم الى طعام غير ناظرين اناه ولكن اذا دعيتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسين لحديث ان ذلكم كان يؤذي النبي فيستحيي منكم والله لا يستحيي من الحق واذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب ذلكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن وما كان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا تنكحوا ازواجه من بعده ابدا ان ذلكم كان عند الله عظيما

مسلمانو! پیغمبر کے گھر میں نہ جایا کرو بجز اس صورت کے کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے تو اس صورت میں ایسے وقت پر جاؤ کہ تم کو کھانے کے تیار ہونے کا انتظار کرنا نہ پڑے مگر جب تم کو بلایا جائے تو عین وقت پر جاؤ اور جب کھا چکو تو آپ ہی آپ چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی تھی اور وہ اس کے اظہار میں تمہارا لحاظ کرتے تھے لیکن خدا حق بات کے کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور ازواج مطہرات سے جب کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کو پاک وصاف کر دے گا اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ کو اذیت دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد ان کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرو خدا کے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے

لیکن اس آیت میں ازواج مطہرات کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت نہیں کی گئی

تھی - اس لئے دوسری آیت میں ان کو خانہ نشینی کا حکم دیا گیا - اور زمانہ جاہلیت
کی عورتیں جس طرح نمائش کے لئے نکلتی تھیں اس سے اُن کو ممانعت کی گئی -

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

اے پیغمبر کی بی بیو اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بناؤ سنگار دکھانے کے لئے باہر نہ نکلو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے اے اہلبیت نجاست کو دور کرے اور تم کو خوب پاک و صاف کر دے -

لیکن تمدن کی کمی سے اب تک اہل عرب کے گھروں میں جائے ضرور نہیں بنائی جاتی تھی لیکن اسلئے عورتیں راتوں کو قضائے حاجت کے لئے نکلتی تھیں اور چونکہ اُن میں اور لونڈیوں کی وضع و لباس میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا اس لئے منافقین لوگ اُن کو راستے میں چھیڑتے اور جب ان پر اعتراض کیا جاتا تو کہتے ہم نے اُن کو لونڈی سمجھا تھا اس پر یہ آیت اُتری -

یا ایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذٰلک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین وکان اللہ غفورا رحیما -

اے پیغمبر اپنی بیبیوں بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں اس سے تھوڑا بہت وہ پہچان پڑیں گی (یعنی لونڈیوں سے ممتاز ہو جائینگی)

اس لئے اُن کو کوئی نہ چھیڑے گا اور خدا بخشنے

والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

اس آیت میں ادنیٰ ان یعرفن کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف عورتوں اور لونڈیوں میں جو فرق قائم کیا جا سکتا ہے وہ اس سے کسی طرح کم ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مُنہ ڈھانک کر باہر نکلیں۔ لیکن اگر اور قیود بڑھا دیئے جائیں اور عورتوں کو بغیر ڈولی یا سواری کے گھر سے نکلنے کی اجازت ہی نہ دی جائے تو اس سے قرآن مجید کی مخالفت نہ ہوگی بلکہ یہ اُس فرق کی اعلیٰ قسم ہوگی جس کا ادنیٰ درجہ قرآن مجید نے یہ قرار دیا ہے کہ

"شریف عورتیں گھر سے گھونگھٹ نکال کر نکلا کریں"

لیکن جب تمدّن کی وسعت کی بنا پر گھروں میں بیت الخلا بن گئے تو راتوں کو بھی عورتوں کے نکلنے کی ممانعت کردی گئی، چنانچہ علامہ قسطلانی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ان یتبرّز النساء الی البراز کان اولاً لعدم الکنیف فی البیوت وکان خصۃً لھن ثم لما اتخذت الکنف فی البیوت منعن من الخروج منھا الّا	عورتوں کو پیشتر باہر نکلنے کی اس وجہ سے اجازت تھی کہ مکانوں میں پاخانے نہ تھے لیکن جب گھروں میں پاخانے بن گئے تو ان کو گھروں سے نکلنے کی ممانعت کردی گئی بجز وقت ضرورت

عند الضرورت — کے۔

لیکن ضرورتاً گھر سے باہر نکلنے کے لئے بھی چند خاص پابندیوں کا حکم دیا گیا۔

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن
و یحفظن فروجھن ولا یبدین
زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن
بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین
زینتھن الا لبعولتھن او اٰبائھن
او اٰباء بعولتھن او ابنائھن او
ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی
اخوانھن او نسائھن او ما ملکت
ایمانھن او التابعین غیر اولی
الاربة من الرجال او الطفل
الذین لم یظھروا علی عورات النساء
ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین
من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعاً
ایھا المومنون لعلکم تفلحون۔

اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہدو کہ اپنی نظریں نیچی
رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور
اپنے زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو
اس میں سے چار و ناچار کھلا رہتا ہے اور اپنے
سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں۔ اور اپنے
زینت کے مقامات کو بجز اپنے شوہروں کے یا اپنے
باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے
لڑکوں کے یا اپنے شوہروں کے لڑکوں کے یا اپنے
بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنی میل جول کی
عورتوں کے یا اپنی لونڈی غلاموں کے یا بے غرض
خدمتگاروں کے یا اُن لڑکوں کے جو عورتوں کی
پردہ کی بات سے واقف نہیں اور کسی کے سامنے نہ
کھولیں اور زمین پر اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ چھپے
ہوئے زیور کی جھنجھناہٹ معلوم ہو اور خدا کے سامنے
اے مسلمانو توبہ کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

صرف بوڑھی اور کبیر السن عورتوں کو اس قدر اجازت دی گئی کہ وہ غیروں کے سامنے دوپٹہ اور چادر اوتار سکتی ہیں۔

والقواعد من النساء اللٰتی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح اَنْ یَّضَعْنَ ثیابھُنَّ	بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی خواہش اور توقع نہیں وہ اگر غیروں کے سامنے اپنے کپڑے (یعنی چادر، دوپٹہ وغیرہ) اتاریں تو انکے لئے کوئی حرج نہیں

لیکن یہ حکم بھی اس قید کے ساتھ مقید کر دیا گیا کہ اس کا مقصد زیب و زینت کا اظہار نہ ہو ورنہ وہ بھی گنہگار رہوں گی۔

غیر متبرجات بزینۃ	یعنی یہ اجازت اس وقت ہے جب غیروں کے سامنے بے پردہ ہونے کا مقصد اظہار زیب و زینت نہ ہو۔

لیکن اگر یہ عورتیں غیروں کے سامنے اس حد تک بھی بے پردہ نہ ہوں تو یہ اُن کے لئے اور بھی بہتر قرار دیا گیا۔

وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ	اگر وہ عفت کے خیال سے غیروں کے سامنے چادر وغیرہ کا اُتارنا چھوڑ دیں تو یہ اُن کے لئے اور بھی بہتر ہے۔

اس طور پر بوڑھی عورتوں کے مستثنٰی کرنے کے بعد جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے پردے کے چار درجے قرار پائے۔

الاوّل الامر بارخاء الحجاب یدل علیه قوله تعالیٰ اذا سألتموهن متاعاً۔

پہلا حکم مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک پردہ ڈالنے کا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اذا سألتموهن متاعاً الخ

الثانی هو الامر بستر وجوههن یدل علیه قوله تعالیٰ یا ایها النبی قل لازواجك وبناتك۔

دوسرا حکم عورتوں کے منہ چھپانے کا ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے یا ایها النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن۔ الخ

الثالث هو الامر بمنعهن عن الخروج من البیوت یدل علیه قوله تعالیٰ وقرن فی بیوتکن۔

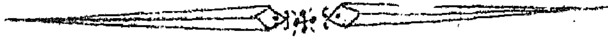
تیسرا حکم گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت میں ہے کیوں کہ خدا فرماتا ہے "وقرن فی بیوتکن"

الرابع هو الامر بستر شخصهنّ عند الخروج من البیوت بضرورة شرعیةٍ یدلُّ علیه قول تعالیٰ قل للمؤمنات یغضضن ابصارهن

چوتھا حکم بضرورت شرعیہ مکان سے باہر نکلنے کے وقت بدن چھپانے کا ہے کیوں کہ خدا فرماتا ہے۔ قل للمومنین یغضضن من ابصارهن۔

ان احکام میں دوسرا اور تیسرا حکم تمام عورتوں کے لئے عام ہے البتہ پہلا اور تیسرا حکم ازروئے قرآن ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن اگر تمام عورتیں ان دونوں احکام کی پابندی بھی کریں تو یہ اُن کے لئے بوجہ اتباع سُنّت ازواجِ مطہرات اور بھی افضل ہوگا چنانچہ خود عہد رسالت ہی میں عورتوں نے اس کی پابندی شروع

کر دی تھی ابو داود میں روایت ہے کہ پہلے اہل عرب کے دروازوں پر پردے نہیں لٹکائے جاتے تھے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو سامنے کھڑے ہو کر سلام نہیں کرتے تھے لیکن بعد کو دروازوں پر پردے بھی لٹکائے گئے (جیسا کہ اس زمانے میں رواج ہے)



پردہ اور حدیث

پردہ کے متعلق جیسا کہ اوپر گذر چکا اگرچہ اکثر جزئیات کی تحدید و تعیین خود قرآن مجید ہی نے کر دی تھی لیکن اور جو جزئیات رہ گئے تھے اُن کو احادیث میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔

پردہ کے متعلق سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عورت کا گھر میں مقید رہنا بہتر ہے یا گھر سے باہر نکلنا؟ جہاں تک دیکھا جاتا ہے احادیث میں عورت کو خانہ نشینی کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے ترمذی اور بزار نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے۔

إِنَّ الْمَرْأَةَ عَوْرَةٌ فَإِذَا أُخْرِجَتْ مِنْ بَيْتِهَا اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ وَ أَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهَا وَهِيَ فِي قَعْرِ بَيْتِهَا	عورت کا جسم چھپانے کی چیز ہے وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے وہ اپنے خدا کی رحمت سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندر رہتی ہے۔

اسلام میں جہاد افضل الاعمال ہے لیکن ایک بار جب عورتوں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا عمل ہے جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت حاصل کر سکتے ہیں تو ارشاد ہوا۔

مَنْ قَعَدَتْ مِنْكُنَّ فِیْ بَیْتِهَا فَاِنَّهَا تُدْرِکُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔
تم میں جو عورت گھر میں بیٹھی رہے گی وہ مجاہدین کے عمل کا ثواب پائے گی۔

آپ نے نماز کے لیے اگرچہ عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت دی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ عورت کے لیئے بہترین مسجد اُن کی کوٹھری کا اندرونی مکان ہے۔ اس کے بعد پردہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ عورت غیر محرم مرد سے تنہا مل سکتی اور میل جول پیدا کر سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق احادیث میں خانہ نشینی سے بھی زیادہ سخت احکام آئے ہیں عورت گھر سے خاص خاص حالتوں میں خاص خاص پابندیوں کے ساتھ تو نکل بھی سکتی ہے لیکن اُس کو غیر مردوں کے ساتھ میل جول اور تنہا ملاقات قطعاً جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے۔

لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ
بغیر کسی محرم مرد کی موجودگی کے کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ملے۔

اس پر بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ دیور بھی بھاوج کے پاس نہیں جا سکتا، ارشاد ہوا کہ دیور تو بھاوج کی موت ہے۔

صرف مرد اور عورت کے تخلیہ ہی کی ممانعت نہیں کی گئی بلکہ راستہ میں بھی مرد کو دو عورتوں کے بیچ میں چلنے سے روکا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
رسول اللہ صلعم نے مرد کو دو عورتوں

اَنْ یَّمْشِیَ الرَّجُلُ بَیْنَ الْمَرْاَتَیْنِ۔ کے درمیان چلنے سے منع کیا۔

ایک بار لوگ نماز پڑھکر مسجد سے نکلے تو راستہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کشمکش ہوئی اس پر آپ نے عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

اِسْتَاْخِرْنَ فَلَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ۔ پیچھے ہٹو۔ تم کو بیچ راستہ سے نہیں چلنا چاہیے راستہ کے کنارے سے چلنا چاہیے۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ عورتیں راستے کے کنارے کی دیواروں سے اس قدر لگ کے چلتی تھیں کہ اُن کے کپڑے دیواروں میں لپٹ جاتے تھے۔

اُن دونوں باتوں کے ثابت ہونے کے بعد صرف یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ عورت کو گھر میں یا گھر کے باہر تستّر کی کس قدر پابندی کرنی چاہیے۔

تو اس کے متعلق احادیث میں صاف تصریح ہے کہ عورت نہ تو ایسا باریک کپڑا پہن سکتی جس سے اُس کا جسم نمایاں ہو اور نہ وہ اپنے گھر سے باہر کسی دوسری جگہ برہنہ ہوسکتی ہے چنانچہ ایک بار حضرت اسماء رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باریک کپڑے پہن کے آئیں تو آپ نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا۔

یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَۃَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ یَصْلُحْ اَنْ یُّرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفِّهٖ۔ اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اسکے اور اسکے سوا (چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ کیا) اُس کا کوئی حصہ بدن کا دیکھا جائے۔

اس قسم کی عورتوں کی نسبت جو باریک کپڑے پہنتی ہیں جن سے اچھی طرح ستر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا۔

كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ۔ یہ باوجود لباس پہننے کے ننگی ہوتی ہیں۔

گھر سے باہر عورتوں کے برہنہ ہونے کی جگہ حمام تھی، اس لیے آپ نے عورتوں کے لیے حمام میں جانا حرام قرار دیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

اَلْحَمَّامُ حَرَامٌ عَلٰى نِسَاءِ اُمَّتِیْ حمام میری امت کی عورتوں پر حرام ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامَ تمہاری عورتوں میں سے جو عورت خدا پر اور روز قیامت پر ایمان لائی ہے وہ حمام میں نہ داخل ہو۔

ایک بار حضرت عائشہ رضؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا

سَيَكُوْنُ بَعْدِیْ حَمَّامَاتٌ وَلَا خَيْرَ فِی الْحَمَّامَاتِ لِلنِّسَاءِ میرے بعد حمامات ہونگے اور عورتوں کے لیے حمامات میں بھلائی نہیں ہے۔

اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ وہ حماموں میں تہبند باندھ کے غسل کریں تو کیا حرج ہے۔

فرمایا کہ

لَا وَاِنْ دَخَلَتْهُ بِاِزَارٍ وَدِرْعٍ وَخِمَارٍ نہیں وہ حمامات میں تہبند کرتہ اور دوپٹہ اوڑھکر بھی نہیں

جا سکتیں۔

ایک بار کچھ شامی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں تو انھوں نے کہا تم لوگ حماموں میں جاتی ہو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کے گھر سے باہر اپنے کپڑے اُتارتی ہے وہ اُس پردے کو جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے چاک کر دیتی ہے۔



آثار صحابہ اور پردہ

قرآن وحدیث میں حجاب، التستّر اور شرم وحیا کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کے مخاطب اول صحابہؓ وصحابیاتؓ تھیں اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے خود اخلاقاً وشرعاً اس پر کس قدر عمل کیا اور کس طرح ان احکام کی پابندی کی ان امور کے متعلق روایتیں نہایت صاف ومصرّح موجود ہیں اس لیے ہم کو مقدمات قائم کرکے نتائج نکالنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ اُن روایتوں کا نقل کردینا کافی ہوگا۔ روایت ہے کہ جب عورتوں کو گھونگھٹ نکالکر باہر نکلنے کا حکم دیا گیا اور یہ آیت

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ — اپنے منھ پر عورتیں اپنی چادریں ڈال لیں۔

نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں جس طرح اپنے چہروں کو ڈھانک توپ کر نکلیں۔ اُس کی تصویر حضرت اُم سلمہؓ نے اِن الفاظ میں کھینچی ہے

خرج نساء الانصار کان علی روسهن الغربان من السکینة وعلیهن اکسیة سود یلبسنها۔ — انصار کی عورتیں اس طرح سیاہ چادریں اوڑھ کر وقار سے نکلیں گویا ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہیں۔

حجاب کا جو حکم دیا گیا بلاتفریق وامتیاز تمام عورتوں نے اُس کی پابندی کی اور اس سے اُن کے مذہبی اور علمی مشاغل میں کسی قسم کا خلل نہیں آیا حضرت عائشہؓ سے مروی ہے

رحم اللہ نساء الانصار لم یکن — خدا انصار کی عورتوں پر رحم کرے

الحجاب یمنعن ان یتفقهن فی الدین پردہ اُن کے دینی مسائل میں تفقہ کرنے سے مانع نہیں آیا۔

ابوالقعیس کی بیوی نے حضرت عائشہؓ کو دودھ پلایا تھا اس لیے وہ اُن کے گھروالوں کے سامنے ہوتی تھیں۔ لیکن حکم پردہ کے نازل ہونے کے بعد جب ابوالقعیس کے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو انھوں نے اُن کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی اور کہا کہ مجھکو ابوالقعیس کی عورت نے دودھ پلایا ہے اُنھوں نے نہیں پلایا لیکن رسول اللہ صلعم نے اُن کو اندر آنے کی اجازت دی اور کہا وہ تمھارے رضاعی چچا ہیں[۵]۔

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ منھ بولے بیٹے کو تمام وہی حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کو حاصل ہیں اس لیے وہ گھر میں بلاروک ٹوک آجاسکتے تھے، حضرت ابوحذیفہ رضؓ نے حضرت سالم کو اپنا مُنھ بولا بیٹا بنایا تھا اس لیے ان کی بی بی ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ لیکن جب قرآن مجید نے اس رسم کو باطل کردیا اور یہ آیت

ادعوھم لاٰبائھم منھ بولے بیٹوں کو خود اُن کے باپ کا بیٹا کہہ کر بلاؤ۔

نازل ہوئی تو حضرت حذیفہؓ کی بی بی نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ میں پہلے سالم کے سامنے ہوتی تھی لیکن اس آیت کے

---

[۵] ایک دفعہ ایک ام المومنین کے گھر میں ایک مرد کی آواز آئی آپ نے پوچھا یہ کون ہے کسی نے کہا اُن کے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھی طرح سمجھ لو رضاعت بھوک کی حالت میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی

نازل ہونے کے بعد اب کیا ارشاد ہے فرمایا کہ تم اُن کو دودھ پلا دو وہ تمھارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔ اور اب تم ان کے سامنے ہو سکو گی۔

صحابیات رضی اللہ عنہن پردہ کی اس قدر پابند تھیں کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی اُن کے چہرے سے نقاب نہیں اُتر سکتی تھی ایک بار حضرت اُم خلاد رضی اللہ عنہا کے بیٹے نے ایک غزوہ میں شہادت پائی اُن کو خبر ہوئی تو چہرے پر نقاب ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنے بیٹے کی نسبت آپ سے سوال کیا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اس حالت میں نقاب پوش ہو کر آئی ہو۔ بولیں میرا لڑکا شہید ہوا ہے میری شرم وحیا شہید نہیں ہوئی ہے۔

ان پابندیوں کے بعد اگرچہ پردہ کے متعلق بہت زیادہ کدو کاوش کی ضرورت نہ تھی تاہم صحابۂ کرام نے اس کے متعلق قدغن بلیغ کی اور ہر ممکن طریقہ سے صحابیات کی شرم وحیا اور عفت وعصمت کو محفوظ رکھا۔

سلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور تمام ازدواج مطہرات اس حکم کو حضرت حذیفہ کی بی بی کے لیے خاص کہتی ہیں اور اسی پر فقہا کا عمل ہے ۱۲



فقہاء اور علماء کی رائیں

پردہ کے متعلق جو آیات و احادیث اوپر گذری ہیں اُن کے سب سے بڑے نکتہ دان صرف علماء اور فقہاء ہو سکتے ہیں، اس کے ساتھ قوم پر چونکہ ان کو اخلاقی حکمرانی کا حق حاصل ہے اُس کے لحاظ سے بھی پردہ کے متعلق اُن کی رائے سب سے زیادہ قابل وقعت اور قابل عمل ہو سکتی ہے خوش قسمتی سے ہمارے سامنے اس مسئلہ میں ان بزرگوں کے خیالات کا کافی ذخیرہ موجود ہے، جس میں اُنھوں نے فقہ، تاریخ اور حدیث و قرآن سے اس عقدے کو نہایت خوبی کے ساتھ حل کر دیا ہے۔ اس لیے ان کے خیالات کو ان ہی کے الفاظ میں اس موقع پر نقل کر دینا مناسب ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اگرچہ پردہ و تستّر کے متعلق نہایت آسانی سے بہ کثرت احکام مل سکتے ہیں۔ لیکن تمام فقہاء کے اقوال کا پیش کرنا باعث تطویل ہوگا اس لیے میں صرف اپنے ہندوستان کے چار مشہور و مقبول بزرگوں کے قول پیش کرنے پر اکتفا کرتی ہوں پہلا قول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کے علم و فضل اور تبحر و کمال کو سب لوگ جانتے ہیں حضرت ممدوح اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”مردوں کو عورتوں اور عورت کو مردوں کے دیکھنے سے فریفتگی پیدا ہوتی ہے جو مفاسد کا سبب ہے، اس لیے حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ یہ دروازہ بند کیا جائے

اور چوں کہ انسانوں کی ضرورتیں مختلف ہیں اور لامحالہ ان کو ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے یہ ضروری ہوا کہ ضرورتوں کے اعتبار سے ممانعتِ نظر کے کئی درجے مقرر کیے جائیں، اسی واسطے آنحضرت صلعم نے کئی طریقے پردہ کے مقرر کیے۔ ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے بلا کسی ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو باہر نہ جائے، آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اَلْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ عورت چھپانے کی چیز ہے پس جب وہ گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان اُس کو جھانکتا ہے یعنی فتنہ کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

اس کے بعد لکھنؤ کے مشہور علمی خاندان کے سب سے بڑے عالم حضرت مولانا بحر العلوم کی تحقیق پڑھیے۔ اُنھوں نے اپنی کتاب ارکان میں اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور چونکہ وہ ہمارے زمانہ سے قریب گذرے ہیں، اور ہمارے ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے ان کا قول اس زمانہ کے لیے ایک قطعی فیصلہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"عورتوں کو ضروری نہیں کہ وہ نماز کے لیے جماعت میں آیا کریں بلکہ اپنے گھروں میں پڑھا کریں، اس وجہ سے کہ جماعت کی غرض سے اُن کے نکلنے میں ایک فتنۂ عظیم ہے۔"

یہ وہ قول ہے جس پر فقہاء متاخرین نے اس وقت فتویٰ دیا ہے۔ جب

اہلِ زمانہ کے فساد کو دیکھا اور اسی پر اب بھی فتویٰ ہے ہمارے ائمۂ ثلٰثہ (امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ، امام محمدؒ) نے بھی جوان عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی ممانعت فرمائی ہے (جن سے فتنہ کا خوف تھا) امام ابو حنیفہؒ نے بوڑھی عورتوں کے لیے مغرب عشا اور فجر کو جماعت میں حاضر ہونا جائز رکھا ہے کیونکہ اس وقت فتنہ کا خوف نہیں ہوتا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ فُسّاق یعنی جن لوگوں سے فتنہ کا اندیشہ ہے وہ اس وقت کی جماعت میں کم ہوتے ہیں[۵]۔ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے بوڑھی عورتوں کا ہر نماز میں حاضر ہونا جائز رکھا ہے۔ اس لیے کہ بوڑھی عورتیں محل فتنہ نہیں ہوتیں۔ یہ مذکورہ بالا تجویز صرف ائمۂ ثلٰثہ کے زمانہ کے لیے تھی اب ہمارے زمانہ میں اہلِ زمانہ کے خرابیٔ اخلاق کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کے میل جول میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ بڑھ گیا ہے فتح القدیر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے صحیح میں مروی ہے "بے شک اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کو جو عورتوں نے ان کے بعد پیدا کی ہے دیکھتے تو جماعت میں حاضر ہونے سے اسی طرح منع فرما دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں"، پھر ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے

---

[۵] کیوں فتنہ کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ اندھیرے کی وجہ سے اُن کے لباس وغیرہ پر صاف نظر نہیں پڑتی جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ صحابیات صبح کی نماز میں شریک ہوتی تھیں تو تاریکی کی وجہ سے پہچان نہیں پڑتی تھیں ۱۲

فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔ لیکن عورتوں کے لیے ان کے گھر مسجد سے بہتر ہیں پس اب اس بات کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک باوجودیکہ احتمالِ فتنہ سے بہت بعید تھا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ اولیاء اللہ تھے آپ نے صحابۂ کرامؓ کو ممانعت فرما دی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکیں مگر اسی مبارک زمانہ میں کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا جماعت میں آنا ساقط فرما دیا۔ اور اُن کی نماز کے لیے گھر کو بہتر قرار دیا۔ ان کے گھر کی نماز کو جماعت کی نماز سے افضل بتایا تو اب اس زمانہ کی نسبت جو درحقیقت فتنہ و فساد کا ہے تمہارا کیا گمان ہے (میرے نزدیک تو) یہ زمانہ (اُس زمانہ سے) زیادہ مستحق ہے کہ اس میں عورتوں کے ذمہ سے جماعت ساقط کر دی جائے اور (میرے خیال میں) اس زمانہ کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ عورتوں کو جماعت میں جانے سے بالکل روک دیا جائے کیونکہ عورتوں پر جماعت کی حاضری نص سے ثابت نہیں اور عام قواعد شرعی کے بموجب فتنہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

اب وہ حکم جو عورتوں کے باہر جانے سے (یعنی جماعت میں حاضر ہونے سے) نہ روکنے کا صادر کیا گیا تھا ساقط ہو گیا۔ کیونکہ عدمِ احتمالِ فتنہ جو دراصل علتِ حکم تھا ختم ہو گیا۔ اسی طرح جیسے مؤلفۃ القلوب کا حصہ مالِ غنیمت میں سے ساقط ہو گیا (چنانچہ) حضرت عائشہ اُم المومنینؓ کے اس قول کے معنی جو اوپر مذکور ہوئے

یہی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ مبارک میں اس حالت کو
ملاحظہ فرماتے جو اس زمانہ میں پیدا ہوگئی ہے تو ہرگز عورتوں کو باہر نکلنے کی
اجازت نہ دیتے۔ اس تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں فتنہ ہوتا تو باہر نکلنے کی اجازت اُس زمانہ میں (بھی) نہ ہوتی
پس اب اس زمانہ میں اُن کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔
ہم نے اپنی گفتگو کو اس وجہ سے طول دیا کہ بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ فقہاء
متاخرین نے اپنی توجیہات سے حکم صریح کو باطل کر دیا اور یہ لوگ کہتے
ہیں کہ حاکم تو اللہ تعالیٰ ہے اور جس وقت اس نے حکم دیا تھا اس حالت کو بھی
جو اب عورتوں نے پیدا کرلی ہے جانتا تھا پس حضرت اُم المومنین رض کے قول
کے لیے کوئی دلیل نہیں معلوم ہوتی لیکن ان لوگوں کا یہ خیال جیسا کہ ہم
بیان کر آئے ہیں صحیح نہیں ہے۔ بے شک حاکم اللہ ہے اور کوئی نہیں ہم
اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی مسلم ہے کہ عورتوں کی اس جدید حالت کا
علم بھی اللہ تعالیٰ کو تھا۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وہ حکم جو اُس کے
رسول کی زبان سے عورتوں کے باہر نکلنے کے متعلق صادر ہوا ہے زمانۂ
عدم احتمال فتنہ تک کے لیے محدود تھا۔ چونکہ اب یہ زمانہ باقی نہیں رہا۔
اس لیے یہ حکم بھی باقی نہیں رہا اُم المومنین رض کا مقصود یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلعم
کے زمانۂ مبارک میں عورتیں وہ حالت پیدا کرتیں جو اب کی ہے تو آنحضرت صلعم

اُن کے نکلنے کا حکم کبھی نہ فرماتے۔ اس لیے کہ وہ شرط نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا۔ بلکہ خود حکم خداوندی سے عورتوں کو خروج سے منع فرما دیتے۔

مولانا بحر العلوم کی یہ بحث دراصل ہماری شریعت کے اس باریک نکتہ پر مبنی ہے کہ جو احکام منصوص نہیں ہیں، بلکہ شارع نے خاص خاص مصالح کو سامنے رکھ کر اُن کے متعلق دیے ہیں، اور اُن کو ہمارے لیے مباح و جائز کیا ہے پھر جب وہ مصالح بدل جائیں اور وہ حالت باقی نہ رہے تو وہ اباحت و جواز بھی باقی نہیں رہے گا۔ اسی قسم کے حکم میں پردہ کا حکم بھی ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی نسبت فرمایا تھا کہ "اگر وہ مسجدوں میں آنے کی اجازت مانگیں تو روکو" پھر حضرت عائشہؓ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جیسا جیسا فتنہ بڑھتا گیا اُن کا مسجدوں میں آنا ناگوار معلوم ہونے لگا۔ اور ان کو مسجدوں میں آنے کی ممانعت کر دی گئی۔ البتہ اگر کہیں خوفِ فتنہ نہ ہو، اور ایسی صورتیں پیدا ہو جائیں کہ فتنہ سے حفاظت ہو سکے تو اصلی اجازت علےٰ حالہا باقی رہے گی، اور شریعت کے مطابق جس قدر حکم ہے اور جن شرائط و قیود کے ساتھ وہ جواز ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پردہ کا حکم اگر قرآن، احادیث، اور آثارِ صحابہ سے نہ ثابت ہوتا تب بھی اس اصول کے مطابق کہ فتنہ سے بچنا اور امورِ فتنہ سے احتراز کرنا فرضِ شرعی ہے پردہ کا حکم دیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب خود قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ سے

پردہ کا حکم ثابت ہے اور مصالح موجودہ بھی اس کی پابندی پر مجبور کر رہی ہیں تو اس کی لازمی پابندی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شبلی مرحوم جو تاریخی حیثیت سے پردے کے متعلق رائے دینے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں "الندوہ" میں "پردہ اور اسلام" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک کے لیے جو نئے مباحث پیدا کر دیے ہیں ان میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہم کو دخل در معقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ قرون اولیٰ میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا نئے تعلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف مولوی امیر علی نے ۱۸۹۹ء میں رسالہ نائنٹین سنچری میں مسلمان عورتوں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ لمبا برقع، نقاب اور خمار سلجوقیوں کے آخری زمانہ میں شائع ہوا اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانان ہند میں رائج ہے خلفاء کے زمانے میں اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں جب خلفا ضعیف ہو گئے اور تاتاریوں نے اسلامی حکومت کو درہم و برہم کیا تو اس وقت علما میں اس پر نزاع ہوئی کہ عورتیں اپنے ہاتھ، منھ اور پاؤں اجنبیوں کے سامنے کھول سکتی ہیں یا نہیں"

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہوسکتے تھے علماء قدیم اور جدید تعلیم یافتہ۔ علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہے جو ابھی اوپر گذر چکی ہے لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے۔ اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز پہونچتی ہے۔ اس لیے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آئندہ زمانہ میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائے گی۔ ہم اس مضمون میں صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی۔ پھر تمام اسلامی دنیا میں پردہ کے متعلق کیا طرز عمل رہا۔

مدت ہوئی ہم نے اس مضمون کے پہلے حصہ پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا پہلے اس کو بعینہ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ اُس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کردیے ہیں جو ہر قوم ہر فرقہ اور ہر ملک میں جدا جدا صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ میں غالباً مردوں اور عورتوں کے لباس، وضع، طور، طریقے بالکل یکساں رہے ہوں گے۔ اور بجز قدرتی خصوصیتوں کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرسکتی ہوگی۔ لیکن تمدن کو جسقدر وسعت ہوتی گئی۔ اسی قدر یہ باہمی امتیازات

بڑھتے گئے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ آج دونوں کے طریق تمدن اور معاشرت میں بہت کم چیزیں باقی رہ گئی ہیں جو مشترک کہی جاسکتی ہیں۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت میں ہے قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہوسکتے ہیں۔ دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب موجودہ تفرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی اور دونوں فریق کے طریق زندگی میں بہت سی ممتاز خصوصیتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لیے یہ پتا لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوئے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتدا قرار دیتے ہیں اس وقت تک کیونکر ان تفرقوں نے وسعت حاصل کر لی تھی۔

اگر ہم بتانا چاہیں کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا اور مردوں اور عورتوں میں اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیے گئے۔ تو ہم کوئی کافی وجہ نہیں بتا سکیں گے اسی طرح اور خصوصیتوں کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے نہایت قدیم تفرقوں کی تاریخ قائم کرنی اور ان کے وجوہ اسباب پر غور کرنا بے فائدہ ہے۔ البتہ جو امور زمانہ مابعد میں پیدا ہوئے ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہیں ہے۔

پردہ کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں۔

(۱) چہرہ اور تمام اعضا کا ڈھانکنا۔

(۲) مردوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہونا۔

پہلی قسم کا پردہ عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا۔ اور زیادہ تر قدرتی ضرورتیں اس کے ایجاد کا باعث تھیں۔ اول اول جب اس رسم کی ابتدا ہوئی تو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتوں نے پیدا کیا تھا۔ اور وہ مرد اور عورت سے یکساں متعلق تھیں غالباً سب سے پہلے قبیلہ حمیر میں جو یمن کے رہنے والے اور وہاں کے حاکم تھے یہ طریقہ جاری ہوا۔ اسپین میں حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہو گئی تھی جو ملثمین کہلاتی تھی۔ اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے اور اس وجہ سے ملثمین کہلاتے تھے۔ اس میں یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا۔ علامہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ میں اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے وسبب ذلک علی ما قیل ان حمیر کانت تتلثم لشدۃ الحر والبرد تفعلہ الخواص منھم فکثر ذلک حتی تفعلہ عامتھم۔ اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ قبیلہ حمیر گرمی اور سردی کی وجہ سے چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ پہلے خواص ایسا کرتے تھے۔ پھر اس کو اس قدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ میں اس کا رواج ہو گیا۔

علامہ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ قبیلہ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے

تو یہ لوگ اُن کے گھروں پر حملہ کرتے تھے اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے مجبور ہو کر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتیں مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئیں اور مرد چہروں پر نقاب ڈالکر گھروں میں رہے۔ دشمنوں نے معمول کے موافق حملہ کیا تو یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑکر دشمنوں کو قتل کر ڈالا چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ میں نصیب ہوئی تھی اس لیے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لی گئی۔ یہانتک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکساں نقاب پوش رہتے تھے۔ ایک شاعر نے لکھا ہے۔

لما حووا احراز کل فضیلۃ جب اُن لوگوں نے تمام خوبیوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا غلب الحیاء علیہم فتلثموا تو حیا اُن پر غالب ہو گئی اس لیے وہ نقاب پوش ہو گئے

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو ہوتے تھے اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہیں چہرے پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کرتے تھے۔ اس کی مثالیں زمانہ اسلام میں بھی ملتی ہیں۔

مقنع کندی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے۔ اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈالکر باہر نکلتا تھا رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہو گیا اور بڑے مجمعوں میں اکثر لوگ برقع پہن کر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ بازار عکاظ میں جو عرب کی حوصلہ افزائیوں کا مشہور دنگل تھا۔ اہل عرب عموماً چہروں پر نقاب ڈالکر آتے تھے۔ علامہ احمد ابن ابی یعقوب جو نہایت قدیم زمانہ کا مورخ ہے اپنی تاریخ میں

لکھتا ہے۔

وکانت العرب یحضر سوق عکاظ وعلی وجوهها البراقع فیقال ان اول عربی کشف قناعہ ظریف بن غنم الغبری ففعلت العرب مثل فعلہ۔

یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار میں آتے تھے اور اُن کے چہروں پر برقع پڑے ہوتے تھے کہتے ہیں کہ اول جس عربی نے برقع اُتارا وہ ظریف بن غنم تھا۔ اُس کے بعد اوروں نے بھی اُس کی تقلید کی۔

گو بعض وقتوں میں خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے لیکن اصل میں جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی وہ دو امر تھے۔

(۱) جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر میں ہو چکا۔ حمیر میں تو عام و خاص سب اس طریقے کو برتنے لگے تھے۔ لیکن اور قبائل میں یہ طریقہ امرا و اعیان کے ساتھ مخصوص تھا۔ کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیروں ہی کو ہو سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اُٹھ گئی۔ اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امرا کا امتیازی لباس ہے بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

(۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال۔ یہ خیال تدریج کے ساتھ قائم ہوا اہل عرب محض ابتدائی زمانہ میں تو امیر و غریب سب ایک ہی حالت میں رہتے تھے۔ لیکن

جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی اسی نسبت سے امتیازات قائم ہوتے گئے۔ ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ امرا اور سرداران قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ میں دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے۔ اور سلاطین اور سرداران قبائل کے دروازوں پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال یہانتک بڑھا کہ بادشاہ دربار میں بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے۔ چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیوں کی خلافت میں ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفۂ وقت ایک پردہ کی اوٹ میں بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے۔ اس میں اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے جس زمانہ میں اس طریقہ کی ابتدا ہوئی اُس وقت تو عورتیں اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھیں لیکن مردوں سے یہ التزام مالا یلزم نبھ نہ سکا چنانچہ جب عکاظ میں ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اس کے مقلد بنکر اس قید سے آزاد ہو گئے کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا۔ البتہ عورتوں میں یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی جس کو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہیں۔ وہ تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ عام خیال یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے

زمانہ سے پیدا ہوا اس لیے ہم متعدد قطعی شہادتیں پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعرائے جاہلیت کے اشعار ہیں۔ اس لیے اس دعوے کے ثبوت میں ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں۔

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے مالک ابن زہیر کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

من کان مسرورا بمقتل مالک	فلیأت نسوتنا بوجہ نہار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے وہ ہماری عورتوں کو دن میں دیکھے۔

یجد النساء حواسرا یندبنہ	یلطمن اوجھھن بالاسحار

وہ دیکھیگا کہ عورتیں برہنہ سر نوحہ کرتی ہیں اور اپنے چہروں پر صبح کو دوہتڑ مار رہی ہیں

قد کن یخبان الوجوہ تسترا	فالیوم حین برزن للنظار

وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھیں لیکن آج (غیر معمولی طور سے) دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ آتی ہیں۔

علامہ تبریزی نے تسترا کی شرح میں لکھا ہے عفۃ و حیاء یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپا لیا کرتی تھیں۔

عمرو معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر میں لکھتا ہے۔

وبدت لمیس کانھا	بدر السماء اذا بدی
اور لمیس کا چہرہ کھل گیا	گویا چاند نکل آیا ہے

عمرو معدیکرب اگرچہ مخضرمی شاعر ہے یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہیں۔

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سبرۃ بن عمر فقعی ہے اپنے دشمنوں پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے۔

ونسوتکم فی الروع باد وجوھھا	یخلن اماءً والاماء حرائر

یعنی لڑائی میں تمھاری عورتوں کے چہرے کھل گئے تھے اور اس وجہ سے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ بیویاں تھیں۔

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا۔ ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا۔ اتفاق سے وہاں نعمان کی بیوی جس کا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی۔ نابغہ دفعتاً جا پڑا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اضطراب میں ڈوپٹہ گر گیا۔ متجردہ نے فوراً ہاتھوں سے چہرہ کو چھپا لیا۔ نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی۔ اس پر اس نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطھا	فتناولتہ واتقتنا بالید
دوپٹہ گر گیا اور اس نے قصداً نہیں گرایا اس نے ڈوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھوں سے پردہ کیا	

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتیں نکل آئیں۔

اور باہر جہاں کھانا پک رہا تھا چولھے کے پاس بیٹھ گئیں۔ لکھتا ہے۔

وکانوا قعوداً حولها یرقبونها	وکانت فتاة الحی ممن تنیرها
وہ چولھے کے پاس بیٹھ کر اُسکی نگرانی کر رہی تھیں اور قبیلے کی چھوکریاں اُس کو روشن کر رہی تھیں	
مبرزة لا یجعل الستر دونها	اذا اخمد النیران لاح بشیرها
اُنکے چہرے کھلے ہوئے تھے اور اُنکے سامنے کوئی پردہ نہ تھا جب آگ بجھ جاتی تھی تو وہ اُسکو جلاتی تھیں	

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانۂ جاہلیت میں لباس کے متعلق بہت ترقی کرلی تھی۔ اگرچہ یہ ترقیاں صرف امرا اور سرداران قبائل تک محدود تھیں۔ لیکن جن لوگوں میں تھیں۔ پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھیں۔ عورتوں کے لیے لباس کے جو اقسام اس وقت تک ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصہ کے لیے بخوبی پردہ پوش تھے۔ لباسوں کا یہ تنوّع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اُس سے محروم تھا۔ جہانتک ہماری تحقیق ہے عورتوں کے لباس کے متعلق دولت بنوامیّہ اور عباسیّہ کے عہد میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں ہوا یعنی زمانۂ جاہلیت میں جسقدر لباس ایجاد ہو چکے تھے۔ اس سے زیادہ اقسام نہیں پیدا ہو سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیت ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا۔ عورتیں مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھیں جنکی قسمیں سات آٹھ سے کم نہ تھیں اور اپنے اعتبار سے اُن کے مختلف نام تھے۔ مثلاً درع، انب قرقل، صدار، مجول، شوذر، خمیل ان میں

باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا۔ ان کی وضع۔ محرم، کمری، فتوحی، اور قمیص سے ملتی جلتی تھی۔ اشعار جاہلیت میں قریباً یہ سب نام ملتے ہیں لیکن بلحاظ التطویل ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ قصابہ، مقنع وغیرہ بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ ان کپڑوں کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا۔ جس سے سر کے دونوں اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا۔ اُس کو غفارہ کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ بالوں میں تیل لگا ہو تو جذب ہو کر رہ جائے۔ اور دوپٹہ میں نہ لگنے پائے۔ اس کا نام عصابہ تھا۔ غفارہ کے اوپر مختلف طول و عرض کے دوپٹے استعمال کیے جاتے تھے جن کے یہ نام ہیں۔ صدار، خمار، نصیف، مقنعہ، معجر، رداء، خمار نہایت چھوٹا ہوتا تھا اُس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ وہکذا خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھیں کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا۔ اسی بنا پر شاعر کا قول ہے۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطه		فتناولته واتقتنا بالید

اُسکا دوپٹہ گر پڑا اور اُس نے قصداً اُسکو نہیں گرایا اُس نے دوپٹہ کو سنبھال لیا اور اپنے ہاتھوں سے پردہ کر لیا

نحر علی الالاء لم یوسد		وقد کان الدماء له خمار

وہ گر پڑا اور کسی چیز پر ٹیک نہیں لگائی۔ اور خون اُس کے چہرے کے لیے دوپٹہ بن گیا۔

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لیے برقع ہوتا تھا جس کی مختلف قسمیں

تھیں، جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا اس کو وصواص کہتے تھے اس سے نیچا نقاب کہلاتا تھا۔ نقاب سے نیچا لقام اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا۔ لقام کی حد ہونٹوں سے متجاوز نہ تھی سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا اُس کو حلبۃ کہتے تھے۔ نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے اور استعمال کیے جاتے تھے۔

اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ادین بہا سناً کتمن اخری	وثقبن الوصاوص للعیون

پہلے آنکھوں نے اپنا حسن دکھایا پھر اُس کو چھپا لیا۔ اور آنکھوں تک نقاب ڈال لیا۔

یضیئ لنا کالبدر تحت غمامۃ	وقد ذل عن عر انثنا یا لثا مہا

اُس نے اس طرح جلوہ آرائی کی جیسے بادل میں چاند اور ہونٹوں کے اوپر سے اُن کا نقاب ہٹ گیا۔

غرض لباس کا پردہ تمام عرب میں جاری تھا اور بجز عوام اور کنیزوں کے تمام عورتیں اس کی پابند تھیں۔

بعض بعض مثالیں اس رسم کے خلاف ملتی ہیں، مگر وہ نہایت شاذ ہیں۔ مگر دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتوں کا مردوں کی سوسائٹیوں میں شریک نہ ہو سکنا زمانۂ جاہلیت میں بالکل نہ تھا۔ عورتیں عموماً مجلسوں، بازاروں ، لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں۔ بازار عکاظ میں جہاں شعرا طبع آزمائیاں کرتے تھے۔ شاعرہ عورتیں جاتی تھیں۔ اور اُن کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے

وہ عام مجمع میں قصیدے پڑھتی تھیں اور تحسین و آفریں کے صلے حاصل کرتی تھیں۔

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے میں تمام عرب میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی عکاظ میں گئی۔ اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اُس وقت اُستاذ الشعرا تھا۔ اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا افسوس ابھی ایک شخص کو میں اشعر العرب کا خطاب دے چکا ہوں۔ ورنہ تجھکو یہ خطاب دیتا۔ تاہم کہتا ہوں کہ تو عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے۔ خنساء نے کہا نہیں۔ بلکہ میں اشعر الرجال والنساء ہوں۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی گانوں میں کسی شاعر کا گذر ہوتا تو وہاں کی تمام عورتیں اس کے پاس آتی تھیں۔ اور شعر پڑھنے کی فرمائش کرتی تھیں۔ اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھیں۔ شعرا بھی بڑے ذوق سے اُن کو اپنے اشعار سناتے تھے۔ غرض مشاعرہ، مناظرہ، میلے، بازار، دنگل، میدان جنگ کوئی ایسا مجمع اور مجلس نہ تھی۔ جس میں عورتیں بے تکلف شریک نہ ہوتی تھیں۔ یہ زمانہ جاہلیت کا حال تھا۔ اسلام کے زمانہ سے نیا دور شروع ہوا اس عہد میں جو تغیرات اور اصلاحیں ہوئیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے اصلاح یہ کی کہ جاہلیت میں کرتے کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے جن سے سینے نظر آتے تھے۔ اس پر ذی قعدہ ۵ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن یعنی اور چاہیئے کہ وہ اپنے

دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں عینی نے بخاری کی شرح میں اس موقع پر لکھا ہے۔

وذلک لان جیوبھن کانت واسعۃ تبدو منھا نحورھن وصدورھن وماحوالیھا وکن لیدلن الخمر من وارئھن فتبقی مکشوفۃ فامرن بان یدلنھا من قدامھن حتی یغطینھا۔ (ترجمہ) یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان چوڑے ہوتے تھے جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف نظر آتے تھے اور وہ دوپٹوں کو پشت کی طرف ڈالتی تھیں۔ اس لیے سینے کھلے رہ جاتے تھے۔ اس لیے ان کو حکم ہوا کہ سامنے ڈالیں تاکہ سینہ چھپ جائے۔

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں پہلے سے جاری تھا۔ لیکن مدینہ منورہ میں یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا۔ اس لیے عورتیں اکثر کھلے منہ نکلتی تھیں۔ اس پر یہ آیت اتری

یا ایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔	اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان بیویوں سے کہدو کہ اپنے اوپر چادریں ڈال لیا کریں (یعنی چادروں سے اپنا منہ چھپا لیا کریں۔)

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے۔

آیت کا شان نزول کیا ہے؟

آیت کے معنی کیا ہیں؟

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریقِ عمل کیا رہا۔؟

شانِ نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں جو محمد شانہ تفسیر ہے یہ تصریح ہے۔

کان ناس من فساق اهل المدینة	مدینہ میں بدمعاشوں کا ایک گروہ تھا جو رات
یخرجون باللیل حین یختلط الظلام الی	کی تاریکی میں نکلتا تھا اور عورتوں کو چھیڑتا تھا
طریق المدینة فیعرضون النساء و	مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے رات کو
کانت مساکن اهل المدینة ضیقة	جب عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں
فان کان اللیل خرج النساء الی الطریق	سے نکلتی تھیں تو یہ بدمعاش اُن سے چھیڑ چھاڑ
یقضین حاجتھن فکان اولئك الفساق	کرتے تھے جس عورت کو دیکھتے تھے کہ چادر
یبتغون ذلك منھن فاذا راؤ المرءة علیھا	میں چھپی ہوئی ہے اُس کو شریف زادی سمجھ کر
جلباب قالو ھذہ حرۃ تکفوا عنھا واذا	چھوڑ دیتے تھے ورنہ کہتے تھے کہ یہ لونڈی
راءو المرءة لیس علیھا جلباب قالو ھذہ	ہے اور اُس پر حملہ کرتے تھے۔
امة فوثبوا علیھا۔	

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے اس میں بھی یہی شانِ نزول لکھا ہے چنانچہ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

کان رجل من المنافقین یتعرض	ایک منافق تھا جو مسلمان عورتوں کو چھیڑتا تھا
نساء المومنین یوذیھن فاذا قیل له	تو جب اس سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے

قال کنت احسبہا امۃ فامرھن اللہ	اُس کو لونڈی سمجھا تھا۔ اس بنا پر خدا نے حکم
ان یخالفن زی الاماء و یدنین علیھن	دیا کہ لونڈیوں کی وضع نہ بنائیں۔ اور اپنے
من جلابیبھن	اوپر چادریں ڈال لیں۔

تفسیر کشاف میں ہے۔

فامرن ان یخالفن بزیّھن عن	اُس لیے اُن کو حکم ہوا کہ لونڈیوں کی وضع سے
زی الاماء بلبس الاردیۃ	الگ وضع اختیار کریں یعنی چادریں اور برقع
والملاحف وستر الرؤس والوجوہ۔	استعمال کریں اور سر اور چہرہ چھپائیں۔

ان تصریحات میں ایک خاص امر یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ بیبیوں اور لونڈیوں کے لباس اور وضع میں فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ بیبیاں چادروں سے چہرہ چھپاتی تھیں اور لونڈیاں کھلے منہ نکلتی تھیں۔

اشعار جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

ولسوتکم فی الروع باد وجوھھا

یخلن اماءً والاماء حرایر

یعنی تمہاری عورتوں کے چہرے لڑائی میں کھل گئے تھے اس لیے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں۔ حالانکہ وہ لونڈیاں نہ تھیں ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں بھی یہ فرق قائم تھا۔ اور اسی وجہ سے

جب کوئی بی بی کھلے منھ نکلتی تھی تو بدمعاشوں کو ان کے چھیڑنے کے لیے یہ عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے اُن کو لونڈی سمجھا تھا۔

جلباب اور ادنا رجلباب کے معنی ہیں اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع یا چادر تھی جو تمام کپڑوں سے زیادہ وسیع ہوتی تھی۔ اور اس سب کے اوپر استعمال کی جاتی تھی۔ جس طرح آجکل ترکی خاتونیں فراجہ استعمال کرتی ہیں تفسیر عماد ابن کثیر میں ہے

والجلباب هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعود وعبيدة والحسن البصري وسعيد بن جبير وابراهيم النخعي وعطاء الخراساني وغير واحد

یعنی جلباب چادر کو کہتے ہیں جو خمار کے اوپر استعمال کی جاتی ہے عبد اللہ بن مسعود۔ عبیدہ۔ حسن بصری۔ سعید بن جبیر۔ ابراہیم نخعی عطار خراسانی وغیرہ نے جلباب کے یہی معنے بیان کیے ہیں۔ دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے وہ ادنار ہے ادنار جلباب کے معنے تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہیں منھ چھپانے کے لکھے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تمام صحابہ میں فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ ان کا قول تفسیر ابن کثیر میں علی بن طلحہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

امر الله لنساء المؤمنين اذا خرجن   خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب گھر سے

من بيوتهن في حاجة ان يغطين — کسی کام کو نکلیں تو سر سے چادر اوڑھ کر چہرہ

وجوههن من فوق رؤسهن بالجلباب — کو چھپالیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

ويبدين عينا واحدة

تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قال ابن عباس وابو عبيدة امر — ابن عباس اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ خدا نے

نساء المؤمنين ان يغطين رؤسهن — مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا

ووجوههن بالجلابيب الا عينا واحدة — سر اور چہرہ چھپالیں بجز ایک آنکھ کے۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔

محمد بن عمر عن ابي سبرة عن ابي صخر — محمد بن عمر نے ابو سبرہ سے انھوں نے ابو صخر

عن ابن كعب القرظي قال كان رجل — سے انھوں نے ابن کعب قرظی سے روایت

من المنافقين يتعرض لنساء المؤمنين — کی ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو مسلمان

يؤذيهن فاذا قيل له قال كنت احسبها — عورتوں کو چھیڑا کرتا تھا اور جب اس کو ٹوکا

امة فامرهن الله ان يخالفن بزي — جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے لونڈی سمجھا تھا تو

الاماء ويدنين عليهن من جلابيبهن — خدا نے حکم دیا کہ لونڈیوں کی وضع ترک کریں۔

تخمر وجهها الا احدى عينيها۔ — اور اپنے اوپر اس طرح سے چادر ڈال لیں کہ چہرہ

چھپ جائے بجز ایک آنکھ کے۔

حضرت عبداللہ بن عباس، ابو عبیدہ، ابن کعب قرظی، بغوی، ابن کثیر اور

زمخشری اس درجہ کے لوگ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اگر کسی مخالف کا قول
ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی۔ لیکن جہاں تک ہمکو معلوم ہے شاذ و
نادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنے بیان کیے ہیں۔

اس صورت میں صرف شاہ ولی اللہؒ کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکۃ الآرا
مسئلہ میں استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے۔

پردہ کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا ہے وہ یہ تھا کہ
کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں اور بجز کسی
خاص حالت کے نامحرموں سے ہمیشہ منھ چھپاتی تھیں۔ یہانتک کہ یہ امر معاشرت
کا سب سے بڑا مقدم مسئلہ بن گیا تھا۔

تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہوگی۔

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں فلاں
عورت سے شادی کرنی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے جاکر اس کو دیکھ آؤ۔
انھوں نے جاکر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اور آنحضرت
کا پیغام سنایا۔ صحابہ جس قدر آنحضرت کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ محتاج
بیان نہیں تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ لڑکی ان کے سامنے آئے اور یہ اس پر
نظر ڈال سکیں۔ لڑکی پردہ میں سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ بولی کہ اگر آنحضرت نے
حکم دیا ہے تو تم مجھکو آکر دیکھ لو۔ ورنہ میں تمکو خدا کی قسم دلاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔

یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح میں مذکور ہے۔

محمد بن سلمہ ایک صحابی تھے۔ اُنھوں نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لیے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لیں لیکن موقع نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی۔ اُنھوں نے موقع پاکر اُس کو دیکھ لیا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ صحابی ہوکر ایسا کام کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ پہلے اُس کو دیکھ لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ باب النکاح)

صاحب آغانی نے اخطل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اخطل سعید ابن آیاس کا مہمان ہوا۔ سعید نے بڑے تپاک سے مہمانداری کی یہاں تک کہ اُس کی دونوں لڑکیاں جن کا نام زعوم و امامہ تھا اخطل کی خدمت گذاری میں مصروف رہیں۔ دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا تو یہ لڑکیاں جوان ہو چکی تھیں۔ اس لیے اخطل کے سامنے نہ آئیں آغانی کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ثم نزل علیہ ثانیۃ وقد کبرتا فحجبتا فسأل عنھما وقال فاین ابنتائی فاخبر بکبرھما۔

یعنی اخطل دوبارہ سعید کا مہمان ہوا۔ تو لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں۔ اس لیے اُنھوں نے پردہ کیا۔ اخطل نے پوچھا تیری لڑکیاں کہاں ہیں۔ سعید نے کہا۔

اب وہ بالغ ہوگئیں۔

پردہ کا اس قدر عام رواج ہوگیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے تو مورخین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے سفرنامہ میں جہاں ترکوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک عورت کا تذکرہ کرکے لکھا ہے۔

وھی بادیۃ الوجہ لان نساء الاتراک لایحتجبن یعنی اُس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ کیونکہ ترکی عورتیں پردہ نہیں کرتیں صاحب آغانی نے اخطل کے تذکرہ میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے۔

وکان اھل البدو اذ ذاک یحدث برھالھم الی النساء لایرون بذلک باسا۔

یعنی اس زمانہ میں صحرانشین عربوں میں مرد عورتوں کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ان سے بات چیت کرتے تھے اور اس کو معیوب نہیں خیال کرتے تھے

اسی کتاب میں جمیل کے تذکرے میں جو ایک بدوی شاعر تھا لکھا ہے۔

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید والنساء اذ ذاک یتزین ویبدو بعضھن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید

جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا اس زمانہ میں عید کے دن عورتیں آراستہ ہوکر ایک دوسرے سے ملتی تھیں اور مردوں کے سامنے آتی تھیں۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانوں کی عام معاشرت تھی۔ اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے تو وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے اور کتابوں میں بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے اس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہیں۔

"خلفا کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں"۔ ذالک مبلغہم من العلم۔

مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم الحقوق والفرائض میں لکھتے ہیں۔

بے پردگی کے فوائد۔ کہ پردہ کی وجہ سے عورتیں اپنے حق واجب تفریح اور تعلیم سے محروم ہیں۔ پردہ ایک قسم کی قید ہے۔ مادام الحیاۃ پردہ کی قید نے عورتوں کو کمزور ناتوان کر دیا ہے اور ان کی کمزوری اور ناتوانی کا اثر نسلوں پر پڑ رہا ہے۔ پردہ اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کو عورتوں کا اعتبار نہیں۔ آدمی مرد ہو یا عورت بالطبع آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اور جب اس کی آزادی کو جبراً روکا جاتا ہے تو وہ مکر و فریب اور دھوکے سے آزادی کو عمل میں لاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لونڈی غلام رذیل خصلتیں اختیار کر لیتے ہیں اور اسی سے انگریزوں نے لونڈی غلام بنانے کو قتل نفس سے دوسرے درجہ پر جرم قرار دیا ہے یعنی جتنے عیب ہماری عورتوں پر تھوپے جاتے ہیں

(۱) ان کید کن عظیم

(۲) ؎ اگر نیک بودے سرانجام زن ٭ زنان را مزن نام بودی نہ زن

(۳) اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید

سب پردے کی بدولت۔ غرض پردے کے مخالفوں کے نزدیک مسلمانوں کی قوم کا افلاس ان کی تباہی، ان کی بربادی، ان کی ذلت، ان کی جہالت ان کا تنزل جتنی بھی خرابیاں ہیں پردے کے نتیجے ہیں اعتراضات کرتے تو کر بیٹھے مگر ع کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا "دشواری پیش آئی کہ پردے کی مخالفت کے ساتھ مسلمان ہونیکے بھی لمبے چوڑے دعوے ہیں ع اے بلبل بلند بانگ در باطن ہیچ۔ اور قرآن ہے کہ صاف لفظوں میں حکماً پردے کی حمایت کرتا ہے۔ حامیانِ پردہ اور مخالفانِ پردہ کا اختلاف ناگوار درجے کو پہنچ گیا ہے اور ہمارے نزدیک پردے کے مطالب کو ہر دو فریق میں سے ایک نے بھی نہیں سمجھا۔ اور یہی وجہ دونوں کی طرف افراط و تفریط کی ہے۔ بات یہ ہے کہ پردہ خود مقصود بالذات نہیں اصل میں مقصود بالذات ہے عصمت و عفت کی حفاظت اور پردہ اس کی تدبیر ہے۔ اور بس عفت و عصمت مرد و عورت دونوں سے مطلوب ہے اور اس کا حفظ بھی دونوں کے کرنے سے ہوتا ہے اور چونکہ عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور پیدا کی گئی ہے۔ اور جسمانی کمزوری کے علاوہ ناقص العقل بھی ہے۔ اس پر

حفظ عصمت کی زیادہ تاکید بھی ہے۔ عنوان پردہ کے ذیل میں وہ لمبی آیت دیکھو
قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم الخ مسلمان مردوں کو اتنا ہی حکم ہے۔ کہ اپنی
نظریں نیچی رکھیں۔ اور اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں اُن کی زیادہ
صفائی ہے۔ اور مسلمان عورتوں کے لیے یہ بھی ارشاد ہے کہ
قل للمؤمنت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین
زینتھن الا ما ظہر منھا۔
یعنی (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں
اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر
نہ ہونے دیں۔ مگر جو اس میں سے (چار و ناچار) کھلا رہتا ہے۔ (تو اس کا ظاہر
ہونے دینا کوئی مضائقے کی بات نہیں) عورتوں پر ان کی جسمانی کمزوری
اور نقصان عقل کے علاوہ پردہ کی زیادہ تاکید کرنے کا ایک سبب اور بھی ہے
کہ مردوں کو خلقی توانائی کی وجہ سے تحصیل معاش کے لیے دنیا کے مشکل
اور سخت کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور چونکہ ان کو دنیا کے نشیب و فراز سے اکثر
سابقہ پڑتا رہتا ہے اسی سے اُن کی عقلیں تیز ان کی ہمتیں قوی ہوتی ہیں۔
عورتوں کا تو بس یہی کام ہے کہ مرد جو کچھ کما کر لائیں یہ اس کو انتظام اور سلیقے
سے اُٹھائیں، گھر کو سنبھالیں، بچوں کو پالیں، جسمانی اور دماغی محنتوں کو
کوئی مردوں کے دل سے پوچھے کہ ایک معاش کے پیچھے خون اور پسینا ایک

کرنا پڑتا ہے ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

پردے کے مخالفوں نے تو یہ سمجھ رکھا ہے کہ مرد دراصل عورتوں کے دشمن
ہیں۔ اور اُنھوں نے ظلماً عورتوں کو پردے پر مجبور کیا ہے حالانکہ حقیقت واقعی
یہ ہے کہ مرد و عورت کا تعلق پیار و اخلاص سے شروع ہوتا ہے۔ پیار اخلاص
کے ساتھ جاری رہتا۔ اور پیار و اخلاص ہی پر ختم ہوتا ہے۔ مرد و عورت کی بناوٹ
ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ایک دوسرے سے انس و محبت کریں۔
شروع میں عورت ماں ہوتی ہے اور مرد اُس کی اولاد۔ ماں کی ماستا کو سب جانتے
اور سب مانتے ہیں رہی اولاد تو ماں اولاد کے لیے سرچشمہ زندگی ہے۔ یعنی ایک
خاص وقت تک کے یہ مرد کی زندگی کا پہلا درجہ ہے۔ ماں اور اولاد ایک دوسرے
کے ساتھ محبت کرنے پر مجبول و مجبور ہیں۔ پھر مرد کی عمر کے اسی درجہ میں یا
اس کے متعاقب اکثر بھائی بہنوں کا تعلق ہوتا ہے وہ بھی اور کچھ نہ سہی تو ایک
جگہ کا رہنا سہنا ماں باپ کی محبت میں ساجھے کا ہونا الفت کے لیے کفایت کرتا
ہے۔ غرض ماں اور اولاد کے تعلق کے علاوہ مرد اور عورت کے تعلق کی ایک
شانِ اخوت ہے اور وہ بھی مبنی ہے محبت پر۔ طفولیت کے درجوں سے گزر کر
پھر جو مرد و عورت میں تعلق ہوتا ہے وہ زناشوئی کا تعلق ہے۔ اور کچھ شک نہیں

کہ زناشوئی کا تعلق بھی پیار اور محبت کا تعلق ہے اس صورت میں یہ خیال کرنا کہ مرد در اصل عورتوں کے دشمن ہیں۔ اور انھوں نے ظلماً عورتوں کو پردے پہ مجبور کیا ہے۔ ایک لغو خیال ہے۔ اور مرد و عورت کی فطرت اس کی تکذیب کرتی ہے۔ آدمی کچھ اس طرح کا خود غرض مخلوق ہے کہ بے مطلب یہ کسی کا بھی آشنا نہیں۔ یہاں تک کہ خدا کا بھی۔ پس جب کسی سے اسے محبت کرتے دیکھو۔ سمجھ لو کہ محبت میں جلب منفعت یا دفع مضرت مضمر ہے۔ جب انسان کی محبت کا مدار غرض پر ٹھیرا تو جہاں غرض قوی مستحکم اور دیرپا ہوگی۔ محبت بھی قوی ہوگی اور یہی بات آدمی کے تعلقات میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ کہ بیاہ کے پیچھے جورو خصم دونوں سب سے ٹوٹ کر اپنی خانہ داری الگ کر لیتے ہیں۔ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ دنیا ایک چھکڑہ ہے اور یہ دونوں دو بیلوں کی جگہ اس میں جوت دیے گئے ہیں۔ اور چھکڑہ اُن کو قبر کی منزل تک کھینچے جاتا ہے۔ گاڑی بانوں کا قاعدہ ہے کہ جوڑی میں جو بیل مٹھا ہوتا ہے اسے دائیں طرف جوتتے ہیں۔ اور چست و چالاک کو بائیں طرف اور یہ غالباً اس لیے کہ داہنے ہاتھ سے ہانکنا ہوتا ہے مٹھا ہانکنے سے اپنی جوڑی کے ساتھ ساتھ چل سکیگا۔ میاں بیوی واقع میں بیل نہیں ہیں۔ ہم نے مثال کے لیے اُن کو بیل بنا لیا ہے۔ اچھا تو جب مرد عورت دنیا کے چھکڑے میں جوتے گئے۔ اور دونوں تھے ایک دوسرے کے حال سے واقف۔ ایک دوسرے سے مانوس۔ انھوں نے آپ تجویز کیا۔ کون

داہنے رہے اور کون بائیں۔ عورت تھی خلقۃً کمزور اور کمزوری کی وجہ سے مستحق اُس کو دائیں طرف رکھا۔ یعنی تحصیل معاش کے مشکل مشکل کام مرد نے لیے اور خانہ داری کے ہلکے ہلکے عورت کو دیے۔ مگر عورت خانہ داری کو قرن فی بیوتکن (اپنے گھروں میں مقیم رہو) کی تعمیل کے بدون اچھی طرح سنبھال نہیں سکتی۔ ناچار اس کو پتّہ مار کر گھر میں بیٹھنا پڑا۔ یہ ہے پردہ کی اصل چاہو اس کو مردوں کا ظلم سمجھو۔ یا عورتوں کا ضعف مگر مردوں کا (الزام) بجائے خود مردوں پر ظلم ہے۔ مدعی سست، گواہ چست، گدھے کو دیا نمک اس نے کہا میری آنکھیں پھوڑیں۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ ناموس مرد کی امانت ہے۔ عورت اُس کی امانت دار اور مہر نان ونفقہ امانت کا معاوضہ۔ پس عورت کا فرض ہے کہ مرد کی امانت کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اور وہ بے پردے کے (ممکن نہیں تو ہم نہیں کہتے مگر) لایق اطمینان مشکل تو ضرور ہے۔ مال کی حفاظت کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے زمین میں گاڑتے، دوہرے دوہرے چینیر کے تالے لگاتے۔ اوپر سے پھرہ چوکی بٹھاتے۔ آبرو مال سے کہیں زیادہ عزیز چیز ہے۔ اس پر سے غیرت مند لوگ جانیں قربان کر دیتے ہیں ایک پردے سے اس کی قابل اطمینان حفاظت ہو سکے تو کیوں نہ کی جائے مانا کہ خود عورت ناموس کی بڑی محافظ ہے۔ مگر بے پردگی سے شعر دبستان یاد دہانیدن ،، دیوانہ را ہوئے بس است ،، کرنا ضرور نہیں۔ تو احتیاط کے خلاف ضرور ہے۔

شرعی پردہ کی پوچھو۔ تو قرآن کی آیتوں اور حدیثوں کے جمع کرنے سے وہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پردہ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات ہے حفظِ عصمت اور پردہ اس کی تدبیر ہے اور بس۔ کیونکہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ کے ہاتھوں سے تنگ آ کر مدینے تشریف لے آئے تو ان دنوں مدینہ قصبہ بھی نہیں ایک گانوں تھا۔ اور اس کا نام مدینہ بھی حضرت کا رکھا ہوا ہے۔ ورنہ اس کا اصلی نام تھا یثرب چنانچہ قرآن میں بھی مدینے کو یثرب ہی فرمایا ہے۔ یثرب کے معنی عربی میں ہیں اُجڑے سے خراب ہونا پیغمبر صاحب کو بُرے ناموں سے بھی نفرت۔ آپ نے اس کا نام مدینہ رکھا۔ تب سے یہی نام پڑ گیا جس کے معنی ہیں شہر۔ یثرب کی آب و ہوا بھی خراب تھی۔ کہ حمّےٰ یثرب یعنی یثرب کی تپ مشہور تھی۔ نام کے ساتھ ، پیغمبر صاحب کی برکت سے آب و ہوا بھی بدل کر درست ہو گئی۔ یثرب میں بیت الخلا بھی نہ تھے شرفا کی بہو بیٹیاں سب رفعِ حاجت کے لئے جھٹپٹے کا وقت تاک کر گانوں سے باہر نکل جاتی تھیں۔ گانوں کے شریر نوجوان آتی جاتیوں کو چھیڑتے بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوتی تھی اور وہ بار بار جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پردے کی بابت عرض کیا کرتے تھے مگر پردے کے بارے میں کوئی وحی تو آئی نہ تھی۔ پیغمبر صاحب اپنی طرف سے کیسے حکم دے دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سودہؓ کو جاتے دیکھا۔ ہر چند وہ دبکی ہوئی چلی جاتی

تھیں۔ مگر انھوں نے کسی طرح اُن کو پہچان لیا اور پیغمبر صاحب سے جا شکایت
کی۔ آخر وحی نازل ہوئی کہ پیغمبر کی بیبیاں، بیٹیاں اور عام مسلمان عورتیں
گھونگھٹ نکالا کریں۔ تاکہ ہر شخص پہچان لے کہ کوئی پردے والی عورت
ہے اور چھیڑ چھاڑ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے نزول تک
عورتوں کو رفع حاجت کے لیے باہر جانا پڑتا تھا۔ اس اثنا میں بیت الخلا بھی
بننے لگے ہونگے۔ کیونکہ مسلمانوں کی خوش حالی روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ تو پردے
کا پیچ ذرا اور کس دیا گیا اور وہ بڑی لمبی آیت نازل ہوئی جس کا حوالہ ہم اوپر دے
چکے ہیں یعنی وہ گھونگھٹ والی آیت تو اجنبیوں کے مقابلہ میں تھی۔ ایسی حالت
میں کہ عورتوں کو رفع حاجت کے لیے چار و نا چار باہر جانا پڑتا تھا۔ اب یہ لمبی
آیت اندرون خانہ کا پردہ ہے۔ پھر آخر میں جا کر پردہ کی تکمیل تو اس آیت سے
ہوئی جس میں امہات المومنین یعنی پیغمبر صاحب کی بیبیوں کو حکم ہے کہ قرن فی
بیوتکن اور اصحاب رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ واذا سالتموھن متاعًا[۱]
فاسئلوھن من وراء حجاب۔ اگرچہ یہ احکام امہات المومنین کو ہیں اور
امہات المومنین کے بارے میں ہیں مگر تمام مسلمان عورتیں اور تمام مسلمان مرد
ان کے مخاطب ہیں۔ قرآن میں ایسے بہت احکام ہیں کہ مخاطب پیغمبر صاحب ہیں مگر
سب مسلمان ان احکام کے محکوم ہیں۔ پیغمبر صاحب کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ

---

[۱] اور جب تم اُن سے کوئی اسباب مانگو تو پردے کی آڑ سے مانگو ۱۲

اُن کو اپنی بیویوں کی عصمت کا زیادہ پاس تھا سخت لغو خیال ہے اور پردے کا پہلا حکم قل لازواجك وبنٰتك ونساء المؤمنين صاف اس امر کی تردید کر رہا ہے۔

پیغمبر صاحب کو ایک آدمی مسلمان کی جان اپنی جان سے اور ایک ادنیٰ مسلمان کی آبرو اپنی آبرو سے بہت زیادہ عزیز تھی اگرچہ پردہ کا پیچ مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے رفتہ رفتہ کس گیا۔ مگر وہ سب احکام بجائے خود بحال و برقرار ہیں اب بھی ہمارے ملک کے چھوٹے چھوٹے دیہات میں بیت الخلا نہیں ہوتے حلال خور نہیں ہوتے۔ تو وہی گھونگھٹ کی قدر پردہ کیا جاتا ہے۔ اور اُن کے حق میں وہی شرعی پردہ ہے۔ غرض ہر ایک کی حالت کے مناسب ہر ایک کا پردہ ہے ایک پردہ جوان عورت کا ہے۔ ایک بڑھی کا۔ ایک دیہاتی کا ایک شہری کا ایک غریب کا، ایک امیر کا، ایک حسین کا، ایک بدصورت کا۔ جس کو جس طرح عصمت کی حفاظت کا اطمینان ہو عصمت کی حفاظت کے ساتھ جو چاہے سو کرے ہم تو اسی مروجہ پردہ کے خوگر ہوئے ہیں اور اسی کو عصمت کی حفاظت کا متعین ذریعہ سمجھتے ہیں اور یہی ہمارا شرعی پردہ ہے۔

یلام الفتی فیما استطاع من الامر	الا لیقل من شاء ماشاء انما[1]

[1] سنو جی! جو جس کا جی چاہے کہے آدمی اس کام میں ملامت کیا جاتا ہے جس پر اُس کا اختیار چلتا ہے ۱۲۔



عفت اور حیا

ہماری نیکیوں کی بنیاد ہے

کیا بے پردہ کے یہ محفوظ رہ سکتی ہے

ان تمام تحریروں کے پڑھ لینے کے بعد اب ایک اور مسئلہ پیش کرتی ہوں جو غور کرنے کے قابل ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ ہماری شریعت مطہرہ کے تمام احکام کسی نہ کسی تمدنی، معاشرتی یا اخلاقی مصالح پر مبنی ہوتے ہیں پردے کے حکم میں گو یہ تمام مصالح ملحوظ ہیں، لیکن اس کا اصلی مقصد ایک ایسے اعلیٰ اخلاقی وصف کی حفاظت کرتا ہے جو تمام اخلاقی خوبیوں کی جڑ ہے حکمائے اخلاق کا بیان ہے کہ اخلاق کا سرچشمہ صرف تین چیزیں ہیں حکمت، شجاعت اور عفت لیکن ان تینوں چیزوں میں سے جو چیز عورت کی تمام اخلاقی خوبیوں کا سنگ بنیاد ہو سکتی ہے وہ عفت ہی ہے جس کا دوسرا نام شرم وحیا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔

اذا لم تستحی فاصنع ماشئت ۔ ”اگر شرم وحیا نہ ہو تو جو چاہو کرو“

حقیقت یہ ہے کہ خوف خدا کے بعد ہر قسم کی برائیوں سے بچنے کا حقیقی علاج بھی شرم وحیا ہے، اسی کی بدولت انسان اور خصوصاً عورت اخلاقی مصائب سے

نجات پاسکتی ہے۔ اس بنا پر نتیجہ نہیں کہ بعض انسانوں میں بعض اخلاقی خوبیاں طبعاً و فطرۃً موجود ہوتی ہیں۔ اور ان سے بغیر کسی قسم کے خوف و طمع کے خود بخود ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن عام طور پر لوگ اچھے اخلاق کے پابند صرف اس ڈر سے ہوتے ہیں کہ سوسائٹی کے لعن و طعن سے محفوظ رہیں۔ لعنت و ملامت کے اس خوف ہی کا نام شرم و حیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً انسانوں سے جو بھلائیاں وقوع میں آتی ہیں ان کی اصل محرک یہی شرم و حیا ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کے لعنت و ملامت کا خوف جاتا رہے تو انسان کو کسی قسم کی برائی اور کسی قسم کی بد اخلاقی کے کرنے میں عار نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس حدیث اذا لم تستحی فاصنع ما شئت (اگر تم کو شرم و حیا نہیں ہے تو جو چاہو کرو) میں اسی نکتہ کو واضح کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ وہ تعلیم ہے جو متفقاً تمام پیغمبروں نے دی ہے، اس لیے جس طرح عقائد میں توحید تمام مذاہب کا لازمی جزو ہے اسی طرح اعمال میں تمام پیغمبروں نے شرم و حیا کو تمام اخلاقی خوبیوں کا اصل الاصول قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر خاص طور پر احادیث میں شرم و حیا کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ ھٰذَا الدِّیْنِ الْحَیَاءُ ہر دین کیلئے ایک مخصوص خلق ہے اور اس

دین کا خلق حیا ہے۔

اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بے حیائی اور بے شرمی کی مذمت کی گئی ہے ایک حدیث میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا	خدا جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے
نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ	تو اس سے حیا چھین لیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْحَيِيَّ الْحَلِيمَ وَيُبْغِضُ	خدا حیا دار اور حلیم کی محبت کرتا ہے اور بے حیا و
الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ۔	بدکار سے نفرت۔

ان احادیث میں اگرچہ عام طور پر شرم و حیا کی فضیلت اور بے شرمی و بے حیائی کی مذمت بیان کی گئی ہے لیکن بعض احادیث میں خصوصیت کے ساتھ اس وصف کو عورت کا زیور قرار دیا گیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

اَلْحَيَاءُ حَسَنٌ وَلٰكِنَّهُ مِنَ النِّسَاءِ أَحْسَنُ۔	حیا ایک خوبی ہے اور وہ عورت میں اور بھی خوب ہے۔

اس لیے قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں عورت کو تمام حرکات، سکنات اور وضع و لباس میں حیا دار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ لیکن ان تمام طریقوں کا جامع پردہ ہے جس کے اہل اسلام ہر زمانے میں پابند رہے ہیں کیونکہ انھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ نامحرموں کے میل جول سے بچنا ہی

حفاظت عصمت کا ایک قوی ترین ذریعہ ہے اور عورت کا مردوں کے میل جول سے بچنا بغیر پردہ کے ناممکن ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی شہادت زمانہ حال کے وہ اہلِ قلم دے رہے ہیں جن کے ہاں پردہ کا رواج کم یا بالکل نہیں ہے۔

مصر کے ایک عالم[۱] نے لکھا ہے "عورتوں کو حجاب کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح مرد کو ہتھیار کی تاکہ جس طرح وہ اپنے جان و مال کی حفاظت اسلحہ سے کرتا ہے۔ اسی طرح یہ اپنے عفت و عصمت کی حفاظت پردہ سے کریں"

جرمنی[۲] کے ایک عالم کا قول ہے "مشرق و مغرب کی عورتوں کی آبرو میں اُن کے خاوندوں کے نزدیک بہت بڑا فرق ہے" پھر لکھا ہے کہ "پردہ میں یا پردہ کے قریب قریب عورتوں کی حفاظت کا بہت بڑا فائدہ ہے" اور لکھا ہے "لڑکیوں کی حفاظت چار انجیل اور چار دیوار کے اندر کرو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہائی میں جمع ہونے والے مرد اور عورت پر لعنت فرمائی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "جب مرد و عورت خلوت میں ہوتے ہیں تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے" اور بڑا شیطان یہی نفس بہیمیہ ہی جو عورت و مرد دونوں میں ہوتا ہے اس کا قابو میں رکھنا ایک اعلیٰ صفت ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ پردہ کے ذریعہ سے ان اسباب ہی کا انسداد کر دیا جائے۔ علاوہ اس کے

---

[۱] ام الدنیا ۱۲ [۲] تربیت المراۃ والحجاب ۱۲

عورت کے جو فرائض ہیں اُن کو مثلاً بچوں کی تربیت اور امور خانہ داری کا نظام وہ گھر ہی میں بیٹھ کر انجام دے سکتی ہے گویا خدا تعالیٰ نے یہ فرائض عورتوں پر اسی لیے عاید کیے ہیں کہ وہ گھر میں رہیں اسی وجہ سے وہ تلاش معاش کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور نہیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ اُن کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر فرض کی گئی ہے۔

پردہ اُن کی عصمت کا محافظ اور ان کی عزت کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے اور پردہ سے در اصل مقصود بھی یہی ہے کہ وہ اپنی عزت و آبرو کو محفوظ رکھ سکیں اور ان کی پاکبازی و حیاداری پر حرف نہ آئے۔



عورت کی خانگی اور بیرونی معاشرت

گھر سے باہر نکلنے میں شریعت نے عورت پر جو پابندیاں عائد کی ہیں، اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اب صرف دو امور بحث طلب ہیں۔

(۱) عورت کو گھر کے اندر شرم و حجاب کی کس قدر پابندی کرنی چاہیے۔

(۲) پردے کی پابندیوں کے ساتھ وہ گھر کے باہر کن کن مشاغل میں حصہ لے سکتی ہے اور کن حالتوں میں اُس کو شرعاً گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

پہلے امر کی نسبت حدیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم اس قدر شرمیلے اور حیادار تھے جس طرح کنواری عورتیں، اپنے پردوں کے اندر پابند شرم و حیا ہوتی ہیں۔ اس تشبیہ سے رسول اللہ کی انتہائی شرم و حیا کا اظہار مقصود ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا گھر میں بھی پابند شرم و حیا رہنا اُس کا قدرتی وصف ہے، اور ایشیا کی تہذیب ہمیشہ اس قسم کی عورتوں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھے گی، اور عرب کی عورتیں اسی قسم کی شرم و حیا کی پابند تھیں۔

تستر کی وہ پابندیاں جو گھر سے باہر عورتوں کے لیے لازمی ہیں وہ گھر کے اندر اُن پر عائد نہیں کی جا سکتیں۔ چہرہ اور ہتیلیاں یہ دو عضو گھر کے اندر کھلے رہ سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن، احادیث اور فقہا کی تصریحات سے ثابت ہے، اور محرموں کے سامنے

اُن کو کھول کر آنا جائز ہے، بلکہ اور زینت و آرائش کے مقامات بھی اُن کے سامنے اگر اتفاقاً کھل جائیں تو گناہ نہیں، عورت پردہ کے اندر سے مرد کی آواز سن سکتی ہے جیساکہ صحابیات آنحضرت صلعم اور دیگر خلفائے راشدین کے مواعظ اور ارشادات کو سنتی تھیں، اور یہی حکم قرآن مجید کی اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔

فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ پیغمبر کی بیویوں سے پردہ کی اوٹ سے چیزیں مانگو

اسی طرح غیر محرم مردوں کے مجمع کو عورت اپنی آواز سنا سکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آواز میں بناؤ اور تصنع نہ کیا جائے، جیساکہ اس آیت پاک کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ بات میں (تم پیغمبر کی بیویو! آواز میں) نرمی نکرو کہ جسکے دل میں بیماری ہو اُس کو حوصلہ بڑھے اور اچھی بات کہا کرو۔ (احزاب پ)

چنانچہ تمام ازواج مطہرات اور صحابیات اسی طریقے سے غیر محرموں سے باتیں کرتی تھیں، اُن کو حدیثیں سناتی تھیں، فتوے بتاتی تھیں اور کبھی موقع ضرورت پر تقریر بھی کرتی تھیں۔

شریعت نے عورتوں کو گھر کے اندر بھی ایسے باریک کپڑے پہننے کی ممانعت فرمائی ہے جس سے اُن کے بدن کا کوئی حصہ نمایاں ہو، مصر میں ایک غایت لطیف اور باریک کپڑا بُنا جاتا ہے، جس کو قباطی کہتے ہیں ایک بار حضرت دحیہ کلبی کو رسول اللہ صلعم نے یہی کپڑا دیا اور کہا کہ اس سے اپنی بی بی کا دوپٹہ بنانا، لیکن

اس سے کہنا کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا پہن لے تاکہ اُس کا بدن نمایاں نہ ہو
حضرت ام سلمہ رضؓ اسی خیال سے اس کپڑے کا دوپٹہ نہیں اوڑھتی تھیں۔

تستر کے ساتھ عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے
اور حضور اقدس صلعم نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو مردوں کا طور طریقہ اور لباس
اختیار کرتی ہیں، ایک بار حضرت عائشہ رضؓ سے سوال کیا گیا کہ عورت مردوں کا جوتہ
پہن سکتی ہے یا نہیں؟ بولیں رسول اللہ صلعم نے ان عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے
جو مردوں کی وضع اختیار کریں۔

شرم و حیا اور وضع و لباس کی اس پابندی کے ساتھ عورتیں گھر کے اندر اور
تمام جائز امور سے اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکتی ہیں۔ جائز اور مہذب کھیل تماشے کو
پردے کے اندر سے دیکھ سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم نے خود
حضرت عائشہ رضؓ کو حبشیوں کے کرتب کا تماشا دکھایا ہے وہ گھر کے اندر وعظ و نصیحت
کے لیے جلسے بھی کر سکتی ہیں، چنانچہ عورتوں کی خواہش کے مطابق ہفتہ میں ایک بار
رسول اللہ صلعم عورتوں کو خاص طور پر وعظ و پند فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا امر یعنی یہ کہ وہ گھر کے باہر کن کن مشاغل میں حصہ لے سکتی ہے؟ اس کے
متعلق اصلی سوال یہ ہے کہ عورت پردے کی پابندی کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی
ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔

قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ   حضرت عائشہ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ	سفر کرتے تھے تو اپنی بیبیوں پر قرعہ ڈالتے
فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ اسْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ	تھے ان میں سے جس کے نام پر قرعہ پڑتا تھا
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَأَقْرَعَ	اس کو ساتھ لے جاتے تھے ایک غزوہ میں
بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ فِيهَا اسْمِي	آپ نے ہم پر قرعہ ڈالا تو میرے نام پر قرعہ پڑا
فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اس لیے میں بعد نزول حکم حجاب آپ کے
وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ ۔	ساتھ سفر میں نکلی ۔

اس سے ثابت ہوا کہ عورت پردے کی پابندی کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی ہے شرعی پردے کی پابندی کے ساتھ ہماری مسلمان بہنیں دنیا کے تمام مذہبی، علمی، سیاسی اور تمدنی کام انجام دے سکتی ہیں اور یہ کہنا کہ بغیر پردہ شکنی یہ کام انجام نہیں پا سکتا ایک تاریخی غلط بیانی ہے، اسلام کے عہد خیر و برکت اور مسلمانوں کے عہد عروج میں عورتوں نے یہ تمام کام اسی پردہ کی حالت میں کیے ہیں۔ سفر، طلب علم، تعلیم و تدریس، ضرورت کے وقت دشمنوں سے مقابلہ، پردہ ان باتوں سے مانع نہیں ہے۔

سفر۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ضرورت کے وقت وطن سے باہر نکلنا پردہ کے ساتھ جائز ہے اور زمانہ خیر القرون میں مسلمان عورتیں ہمیشہ سفر کرتی تھیں لیکن کبھی اس کے لیے پردہ شکنی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اسلام نے سفر کے لیے ایک قید ضروری خیال کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بڑا سفر محرم کے بغیر عورت نہ کرے، بڑا سفر اسلام کی اصطلاح میں وہ ہے جو ۴۸ گھنٹہ یا اس سے زیادہ کا ہو، بعض روایتوں میں ہے کہ بڑا سفر تین دن

تین رات کے سفر کو کہتے ہیں، احادیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ اِلَّا وَ مَعَہَا مَحْرَمٌ۔	اُس عورت کے لیے جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہے، یہ جائز نہیں کہ ایک دن رات کا سفر کرے لیکن یہ کہ اُس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔

آنحضرت صلعم کے ساتھ ازواج مطہرات برابر سفر کرتی تھیں اور دوسری بیبیوں کا بھی یہی حال تھا۔

مذہبی فرائض میں حج ایک ایسا فریضہ ہے جس کے لیے عورت کو دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے، اور ایک ایسے مجمع میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ جہاں مردوں کا اژدحام ہوتا ہے اور احرام کی پابندی کی وجہ سے ان کو نقاب اور دستانہ پہننے کی بھی ممانعت ہے۔ لیکن باینہمہ عورت کو اس فریضہ کے بجالانے کی ممانعت نہیں کی گئی، بلکہ خود ازواج مطہرات اس فریضہ کو بجالائی ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر حج میں تھے، قافلے جب ہمارے سامنے سے گذرتے تھے تو ہم چادروں سے اپنا منھ ڈھانک لیتے تھے اور جب وہ نکل جاتے تھے تو منھ کھول دیتے تھے۔ ایک بار ہشام ابن عبد المطلب نے اپنے زمانۂ حکومت میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا، حضرت عطا کو خبر ہوئی تو انھوں نے کہا کیوں کر اس کی ممانعت کی جاسکتی ہے حالانکہ خود ازواج مطہرات نے مردوں کے ساتھ

طواف کیا ہے؟ اس پر اُن سے سوال کیا گیا کہ ایسا پردے کے حکم سے پہلے ہوا یا بعد کو؟ بولے پردے کے حکم کے بعد، پھر پوچھا گیا تو وہ اس حالت میں مردوں کے ساتھ کیونکر مل جل سکتی تھیں؟ بولے وہ مردوں سے الگ رہتی تھیں، حضرت عائشہؓ مردوں سے الگ ایک کنارے سے طواف کرتی تھیں۔

علمی مشاغل | عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ پردہ کے ساتھ آجکل بہت اہم خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر ہم کو اپنی گذشتہ تاریخ کا کچھ بھی علم ہو تو معلوم ہو سکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں مسلمان خاتونیں پردہ کی پابندی کے ساتھ علمی مشاغل میں کس طرح بے تکلف تعلیم حاصل کر سکتی تھیں اور دوسروں کو تعلیم دیتی تھیں، بلکہ یہ ان کی سب سے بڑی فضیلت ہے کہ باوجود ان پابندیوں کے وہ کسب کمالات علمیہ کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "خدا انصار کی عورتوں پر رحم کرے کہ حیا اور شرم نے انکو مذہبی واقفیت حاصل کرنے سے نہیں روکا"، تاریخ اسلام میں بہت سی ایسی عورتیں گذری ہیں جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور لوگوں کو تعلیم دی ہے، رقیہ بنت الضیف بن محمد کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے تمام علما سے علم حدیث کی تکمیل کی اور شیوخ مصر اور شام کی اجازت سے روایت حدیث کی مدینہ میں قیام کیا اور وہاں حدیث کا درس دیا، مشہور مورخ ابن خلکان، علم حدیث میں زینت بنت شعری کا شاگرد تھا۔ اور وہ خود علامہ زمخشری کی شاگرد تھیں، ان کے علاوہ سینکڑوں خاتونیں ہیں جن کے نام تاریخ کے صفحات پر ہر جگہ مل سکتے ہیں لیکن ہمارے لیے سب سے بہتر مثال حضرت

صدیقۂ کبریٰ اُمّ المؤمنین عائشہ رضؓ کی ہے کہ وہ اسی پردہ کے اندر رہ کر کس طرح اپنے
شاگردوں اور تلامذہ کو درس دیتی تھیں۔

"لڑکے، عورتیں اور جن مردوں کا حضرت عائشہ سے پردہ نہ تھا وہ حجرہ کے اندر آ کر
مجلس میں بیٹھتے تھے اور لوگ حجرہ کے سامنے مسجدِ نبوی میں بیٹھتے، دروازہ پر پردہ
پڑا رہتا، پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں لوگ سوالات کرتے یہ جوابات دیتیں۔
کبھی کوئی سلسلہ بحث چھڑتا اور اُستاد و شاگرد اُس خاص موضوع پر باتیں کرتے
کبھی خود کسی مسئلہ کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے، ان عارضی
طالب العلموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے وہ خاندانوں
کے لڑکوں اور لڑکیوں کو شہر کے یتیم بچوں کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی
تعلیم و تربیت کرتی تھیں کبھی ایسا ہوتا کہ غیر لڑکوں کو جو کہ بڑے ہو چکے ہوں اپنی بہنوں
سے دودھ پلواتی تھیں اور خود ان کی رضاعی خالہ بن کر اُن کو اندر آ لے جانے کی اجازت
دیتی تھیں، جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی یعنی محرم نہ تھے وہ افسوس کرتے تھے
کہ ہم کو حصولِ علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا، قبیصہ کہتے تھے کہ عروہ مجھ سے علم میں سبقت
بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے امام نخعی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے وہ لڑکپن میں
حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اُن کے دوسرے معاصرین کو ان پر
رشک تھا۔

معمول تھا کہ ہر سال حج کو جاتیں، اسلام کا وسیع دائرہ سال میں ایک دفعہ سمٹ کر

ایک نقطہ میں جمع ہو جاتا تھا کوہ حرا اور ثبیر کے درمیان حضرت عائشہ کا خیمہ نصب ہوتا
تشنگان علم جوق جوق دور دراز ممالک سے آکر حلقۂ درس میں شریک ہوتے، مسائل
پیش کرتے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے، لوگ بعض مسائل کو پوچھتے جھجکتے تو وہ ڈھارس
بندھاتیں ایک صاحب ایک بات پوچھنا چاہتے تھے لیکن شرماتے تھے آپ نے
فرمایا کہ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے۔ مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔ میں تو تمھاری ماں
ہوں اور حقیقتاً وہ اپنے شاگردوں کی ماں ہی بن کر تعلیم کرتی تھیں، . . . .

. . . .

اُن کے مصارف کی بھی ذمہ داری کرتی تھیں اور ایسے بچوں کو وہ متبنیٰ کر لیتی تھیں، وہ
اپنے شاگردوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی تھیں کہ اُن کے عزیزوں کو رشک آتا تھا۔ (۱)

مشکلات اور مصائب کا مقابلہ عورتیں اپنے جنسی حقوق کی طلبگاری کے لئے اسی پردہ
کے ساتھ تمام مراحل طے کر سکتی ہیں، بادشاہ وقت اور امراے عہد کے سامنے وہ اپنے
اور اپنے جنس کے حقوق کے لئے ڈپوٹیشن لے جا سکتی ہیں، اور امیر الوفد بن سکتی ہیں ایک بار
ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میں عورتوں
کی طرف سے امیر الوفد بنکر آئی ہوں، جہاد مردوں پر فرض ہے اور وہ اُس کا ثواب
پاتے ہیں اور ہم مردوں کی خدمت گذاری کرتے ہیں، ہم کو اس کے بدلے میں کیا
ملیگا؟ فرمایا کہ عورتوں سے کہدو کہ شوہر کی اطاعت اُس کا معاوضہ ہے جہاد بھی

(۱) سیرۃ عائشہ، سید سلیمان ندوی۔

اگرچہ مردوں کی طرح عورتوں پر فرض نہیں، تاہم عورتوں کو بوقتِ ضرورت جہاد میں شریک ہونے کی قطعی ممانعت نہیں ہے۔ غزوہ بدر و اُحد وغیرہ میں تو بہت سی عورتیں شریک ہوئی تھیں۔ غزوہ احد میں ایک عورت نے کئی زخم اُٹھائے تھے۔ غزوہ خیبر میں چھ صحابیات شریک تھیں جو زخمیوں کے علاج اور تیمارداری اور دیگر امور خدمتگذاری کے انجام دیتی تھیں۔ اور گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً بے اجازت آنے پر ناراضی ظاہر فرمائی لیکن پھر اجازت دیدی اور ان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ حنین میں ام سلیم ایک صحابیہ خنجر لے کر آئی تھیں، رفیدہ ایک صحابیہ تھیں جو فنِ جراحی سے آگاہ تھیں اور حضرت سعد کی تیمارداری پر مامور ہوئی تھیں۔ عہدِ نبوت کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں بھی عورتوں نے غزوات میں حصہ لیا ہے اور حسب ذیل خدمات انجام دی ہیں۔

(۱) زخمیوں کو پانی پلانا۔

(۲) فوج کے کھانے کا انتظام۔

(۳) قبر کھودنا۔

(۴) مجروح سپاہیوں کو معرکۂ جنگ سے اُٹھا لانا۔

(۵) زخمی سپاہیوں کی تیمارداری

(۶) ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا۔

(۷) میدانِ جنگ سے تیر اُٹھا لانا۔

لیکن اس کے لئے شوہر اور امام کی اجازت یا عدم ناراضی کی ضرورت بھی واقع ہو گی۔ تمدنی اور معاشرتی حیثیت سے وہ شادی و غمی میں شریک ہو سکتی ہیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو گھر کے باہر دیکھا تو پوچھا کہ گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں کہ ایک شخص مر گیا تھا اس کے گھر تعزیت ادا کرنے کو گئی تھی۔ مذہبی اور قومی جلسوں میں پردے کے ساتھ مردوں سے الگ اگر نشست کا انتظام ہو اور خوفِ فتنہ نہ ہو تو فوق البھڑک لباس، تیز خوشبو اور جھنکار والے زیوروں سے مبرا ہو کر وہ شریک ہو سکتی ہیں، چنانچہ صحابیات انھیں شرائط کے ساتھ مسجدوں میں عیدگاہوں میں اور وعظ کی مجلسوں میں شریک ہوتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اُن کو روکا نہ جائے لا تمنعوا اماء اللہ من مساجد اللہ حدیث شریف صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان عورتیں نیکی کی محفلوں میں اور عیدگاہوں میں آئیں اگر اُن کے پاس اوڑھنے کی چادر نہ ہو تو کسی بہن سے عاریتاً مانگ لیں، اُم ہشام ایک صحابیہ تھیں جنھوں نے سورہ قاف کو مسجد میں آنحضرت صلعم کی زبانی سن سن کر یاد کر لیا تھا، غرض یہ بالکل غلط خیال ہے کہ اسلام نے عورت کو پردے کا پابند بنا کر اس کو مجبور کر دیا ہے اور عورت پردے کی پابند ہو کر دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتی۔

عذراتِ شرعی چونکہ میں یہ چاہتی ہوں کہ پردہ کے متعلق میری سطح علمیت کے مطابق حتی الامکان کوئی بات چھوٹنے نہ پائے اس لئے اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہماری پاک شریعت نے ہماری ضروریاتِ زندگی کا لحاظ کیا ہے اور بعض ایسی

صورتیں بتائی ہیں کہ ناچاری اور سخت ضرورت کی حالت میں بدن کا بعض حصہ غیر مرد کو دکھانا جائز کیا ہے اس مسئلہ کے متعلق میں خود اپنے قلم سے کچھ لکھنا نہیں چاہتی، بلکہ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نامی تفسیر کبیر میں جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے وہ تلخیصاً پیش کر دینا کافی سمجھتی ہوں۔

اگر کسی عورت پر نظر ڈالنے کی کوئی ضرورت شرعی داعی ہو تو جائز ہے بشرطیکہ خوف فتنہ نہ ہو اس کے لئے حسب ذیل صورتیں ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے منھ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈال لینا جائز ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے کسی انصاریہ سے بیاہ کرنا چاہا تو آپ نے اُس کو فرمایا تم اُس کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی جب پیغام نکاح دے تو اُس کی طرف دیکھنا گناہ نہیں اگر اُس کا مقصود صرف منگنی کرنا ہے اور مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اُسے دیکھ لیا عرض کی نہیں فرمایا کہ دیکھ لو اس لئے کہ اُس سے تم دونوں کے درمیان محبت قایم رہے۔

۲۔ کسی کنیز کو خریدنا چاہے تو اُس حصہ بدن کو دیکھنا جو ستر نہیں ہے جائز ہے۔

۳۔ خرید و فروخت (اور معاملات) کے وقت عورت کی طرف غور سے دیکھنا جائز ہے تاکہ وقتِ ضرورت اُس کو پہچان سکے۔

۴۔ گواہی کے وقت دیکھنا جائز ہے لیکن صرف چہرہ کی طرف کیونکہ شناخت چہرہ سے ہوتی ہے۔

۵۔ پاک دل طبیب کا علاج کے لئے دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ضرورت کا مقام ہے

۶۔ مقدمات عدالت میں اگر کسی عضو کے دیکھنے کی ضرورت ہو تو جائز ہے (امام صاحب نے اس کی تفصیل کی ہے لیکن ہم نے عمداً ترک کر دی ہے)

۷۔ اگر وہ آگ میں جل رہی ہو یا پانی میں ڈوب رہی ہو تو اُس کو بچانے کے لئے دیکھنا جائز ہے۔ (۱)

(۱) تفسیر امام رازی جلد ششم مطبوعہ مصر صفحہ ۳۷۵ و ۳۷۶۔



بے پردگی کے نتائج

اسلام نے مسلمان عورتوں پر پردہ کی جو پابندیاں عائد کی ہیں اور ان کے خلاف اس وقت پر پردہ دری کی جو خواہش بعض لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے ہم کو نہایت غور و فکر کے ساتھ ان کے محرکات اور نتائج کا پتہ لگانا چاہیے تاکہ موافق و مخالف دونوں فریقوں کو نظر آجائے کہ نتائج کے لحاظ سے کون حق بجانب ہے۔ درحقیقت مخالفت پردہ کی اصلی محرک ان اخلاقی اور تعلیمی فضائل کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں ہے، جس کا زبان سے دعویٰ کیا جاتا ہے، بلکہ محض یورپ کی عامیانہ تقلید ہے کیونکہ انسان فطرتاً تقلید پسند واقع ہوا ہے اور جس کسی کو اپنے آپ سے اعلیٰ و برتر پاتا ہے اس کی ہر ایک بات میں پیروی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

اہلِ یورپ تہذیب و شائستگی، تمدن و معاشرت، علم و فضل، عقل و دانش، دولت و ثروت اور شوکت و حشمت میں اس وقت ہم سے بمدارج اعلیٰ و افضل ہیں، اور چونکہ ان میں پردہ کا رواج نہیں اس لئے یہ خیال قائم کر لیا گیا ہے کہ عورتوں کی بے پردگی، تہذیب و شائستگی کا لازمی جزو ہے، اور پردہ ایک غیر مہذبانہ رسم ہے، حالانکہ اگر وسعتِ نظر سے کام لیا جائے تو اس خیال کی غلطی ظاہر ہے۔ باخبر اصحاب جانتے ہیں کہ نہ تو وحشی اور نیم مہذب اقوام کی کل عادات و خصائل

وحشیانہ اور غیر مہذبانہ ہوتے ہیں، اور نہ مہذب و ترقی یافتہ اقوام کے تمام رسم و رواج کو مہذب اور شائستہ کہا جا سکتا ہے، بلکہ ان میں بھی بعض رسمیں دورِ جہالت و وحشت کی یادگار باقی رہ جاتی ہیں، اور بہت سی ایسی رسمیں ہوتی ہیں جو تمدن کی خرابی اور فساد سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

موجودہ ترقی یافتہ اقوام میں عورتیں قدیم الایام سے جب کہ ان میں تہذیب و شائستگی کا مطلق وجود نہ تھا، بے پردہ باہر پھرتی تھیں اور ابھی تک دنیا میں جس قدر وحشی اقوام آباد ہیں، ان میں پردہ کا مطلق رواج نہیں ہے، جیسا کہ کم از کم ہندوستان میں بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے، دنیا میں صرف مسلمان ہی وہ قوم نہیں ہیں جن کے ہاں عورتوں کا پردہ ضروری ہے بلکہ اقوامِ دنیا کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے پہلے دنیا میں جس قدر قومیں گذری ہیں ان کے زمانہ ترقی کی افراط و تفریط کی حالت میں یہ رسم توڑی گئی ہے اور ان کے اعتدالِ تمدن کے زمانہ میں یہی رسم اُن کی عورتوں کے اخلاق کا زیور رہی ہے لیکن جب افراطِ تعیش سے اُن کے تمدن کا قوام بگڑ جاتا ہے اُس وقت زن و مرد کا بے قید میل جول اُن میں رائج ہو کر اُن کے اخلاق کو جس پر اُس کی ترقی کا مدار تھا غارت کر دیتا ہے۔ روم، ایران، مصر قدیم، بابل، عرب قدیم، ہندوستان اور ترک اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

قدیم مصر اور بابل کے دورِ تہذیب و ترقی میں پردہ کا رواج تاریخ سے ثابت ہے۔ عرب میں ابتداً جب تک اس پر تہذیب و شائستگی کا پرتو نہیں پڑا تھا عورتوں میں

پردہ کا رواج نہ تھا۔ لیکن جب ان میں (قبل اسلام) کچھ کچھ شائستگی و تمدن کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے تو عورتوں میں بھی پردہ شروع ہو گیا تھا۔

قدیم زمانہ میں ایران میں رسم پردہ مطلق نہ تھی، رفتہ رفتہ زمانہ اعتدال تمدن میں پردہ کا رواج ہوا اور عورتیں نقاب پوش ہو گئیں، شاہنامہ جو پارسیوں کے قدیم تمدن و معاشرت کی صحیح تاریخ ہے اس میں جا بجا اس کا ثبوت ہے یہ زمانہ ایران کی قدیم تہذیب و شائستگی کا تھا۔

رومی قوم کے دورِ جہالت و وحشت میں پردہ کی رسم نہ تھی بلکہ ان کے دور تمدن و شائستگی میں قائم ہوئی اور عرصہ تک قائم رہی، آخر زمانے میں اس کا خاتمہ ہو گیا، اور یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس قوم کے اسباب تنزل میں ایک قوی سبب رسم پردہ کا اٹھا دینا بھی تھا۔

اسی طرح ہندوستان میں غالباً راجہ رامچندر جی کے زمانہ میں ہندو عورتیں پردہ میں رہتی تھیں اور ڈولی کا رواج اسی وقت سے ہوا، یہ زمانہ ہندوستان کی قدیم تہذیب کے شباب کا زمانہ تھا۔

ترکی قوم کی تاریخ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان میں پردہ کی رسم دورِ ترقی و تمدن میں قائم ہوئی، جو قریب زمانہ تک پورے طور پر قائم تھی، اور حریت کے بعد اس میں زوال شروع ہوا ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ تہذیب و شائستگی کی علامت اور بے پردگی دورِ جہالت و وحشت کی یادگار ہے۔

محض ترقی یافتہ اقوام میں بے پردگی کا رواج دیکھکر ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہماری رسم پردہ کوئی معیوب یا قابل اعتراض رسم ہے، یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیئے۔ کہ بے پردگی سے ہمارا شمار مہذب اقوام میں ہونے لگیگا۔ کسی رسم یا قومی خصوصیت کے چھوڑنے کے لئے محض تقلید کافی نہیں ہے، بلکہ کافی غور و فکر کی بھی ضرورت ہے۔

بلاشبہہ وہ رسمیں جن میں مضرتیں پائی جاتی ہیں، ترک کرنے کے قابل ہیں لیکن وہ رسمیں جو بربنائے احکام مذہب ہوں، اور جن میں طرح طرح کی مصلحتیں مضمر ہوں، نہ ترک کی جا سکتی ہیں اور نہ ان میں خفیف سے خفیف کوئی مضرت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مذہب کا مدعا تو انسان میں اخلاق فاضلہ پیدا کرنا ہے اور اخلاق فاضلہ کبھی مضرت رسان نہیں ہو سکتے، مذہبی احکام و شعائر کے علاوہ اپنی قومی رسموں اور خصوصیات کو غیر قوم کی تقلید یا ظنی و قیاسی منفعتوں کی امید پر ترک کرنا اپنی قومیت کو مٹانا ہے اور یہ کبھی عقلمندی نہیں ہو سکتی کہ صرف ظاہری باتوں کو دیکھ کر انسان فوراً ایک قومی قیاس قائم کرلے، البتہ اگر کوئی رسم مضر ہو یا اس میں نفع کے مقابلہ میں ضرر زیادہ ہو تو اُس کو ترک کر دینا چاہیئے، لیکن اس کے فیصلہ کے لئے اجتماعی طور پر غور و فکر اور گذشتہ اقوام کی تاریخ سے استفادہ کی ضرورت ہے، کیونکہ تاریخ کا مقصد ہی یہ ہے کہ گذشتہ قوموں کے اسباب عروج و تنزل سے موجودہ قومیں نتائج اخذ کر کے نصیحت و عبرت حاصل کریں، اور جو اعمال و رسوم ان کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں انھیں اختیار کریں، اور جو تنزل کا سبب ہوں، ان سے محترز رہیں،

تاریخ مختلف اعمال کے جونتائج پیش کرتی ہے اُنھیں سزا و جزا کے قدرتی قوانین کی نظیریں سمجھنی چاہییں، اسی لئے قرآن مجید میں یہ نصیحت کی گئی ہے۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡہُمۡ وَ اَشَدَّ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ۔

کیا انھوں نے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ وہ دیکھتے ان سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا، جو اُن سے تعداد میں قوت میں، اور یادگاروں کے لحاظ سے بڑھکر تھیں،

تاریخی شہادت | پردہ کی جو مضرتیں بیان کی جاتی ہیں، اُن کے مقابل بے پردگی کے خطرناک نتائج کو بھی خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھنا چاہیے، بے پردگی کا وہ نتیجہ جس کا تاریخ رومۃ الکبریٰ بآواز بلند اعلان کر رہی ہے بطور اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے[1]

"رومانیوں[1] کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج کو پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، اُن کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے تھے خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اس کو صاف کرکے کپڑے بنائیں رومانی عورتیں نہایت سخت پردہ کیا کرتی تھیں، یہانتک کہ اُن میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی وہ بھی اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اُس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھتی، جو ایڑی تک لٹکتی رہتی پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اوڑھنی جاتی،

[1] ماخوذ از المراۃ المسلمہ مطبوعہ روز بازار پریس امرتسر ص ۱۰۲

جس کے سبب سے اُس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ رومانیوں کی عورتیں پردہ میں رہا کرتی تھیں اس قوم نے ہر فن اور جملہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں، بت تراشی عمارت سازی، فتوحاتِ ملکی، سلطنت وحکومت، عزت وعظمت اور علم وہنر میں ساری دنیا کی قومیں رومانیوں کے مقابل میں ہیچ ہوگئیں لیکن اس مرتبہ پر پہونچنے کے بعد ان میں عیش پرستی اور کھیل تفریح کا شوق پیدا ہوا، جس کے ضمن میں انھوں نے اپنی عورتوں کو پردہ کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ لہو ولعب اور سیر وتفریح کی مجلسوں دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں، یہانتک کہ وہی عورتیں جو سات پردوں میں رہا کرتی تھیں، تھیٹروں میں جانے لگیں، بال اور رقص کے جلسوں میں عورتوں کے ناچنے اور گانے کا مشغلہ ایجاد ہوا، آخر عورتوں کی حکومت اس قدر قوی ہوئی کہ جو تمام امور مدبیر ملکی اور انتظام سلطنت کے لئے پارلیمنٹ یا سینٹ کی مجلس میں ممبر منتخب ہوا کرتے تھے وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کرنے سے مقرر ہوتے اور ان کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دئے جاتے بس یہ حالت ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہوگئی اور اس پر ایسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کرنیوالا شخص اس بات کو دیکھکر حیرت زدہ اور مبہوت ہوجاتا ہے کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور مستحکم عمارت کی ان ہی عورتوں کے نازک ہاتھوں نے کس طرح

---

[۱] ماخوذ از ترجمہ المراۃ المسلمۃ مولفہ فرید وجدی مطبوعہ روز بازار پریس امرتسر ص۱۰۳

ایک ایک اینٹ اُکھیڑ کر رکھدی، اور اُس کی ساری عظمت و متانت خاک[۵] میں ملادی۔ کیا یہ بات عورتوں نے اپنی بدنیتی اور بداخلاقی سے کی نہیں ان کا اس میں قصور نہ تھا مگر بات یہ ہوئی کہ جب انھیں بے پردہ بنایا گیا تو باقتضائے فطرت مردانِ مائل ہونے لگے اور اس کے لئے آپس میں کٹنا مرنا شروع کیا، یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کرسکتا۔

رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدبرانِ سلطنت اور اعیانِ مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے۔

عورتوں میں عیش پسندی اور بناؤ سنگار کی مجنونانہ محبت صرف اس زمانہ میں بڑھی جو رومن کی حکومت شاہنشاہی کا دور تھا۔ ورنہ جس وقت رومانی سلطنت ایک جمہوری حکومت تھی ان دنوں عورت کی زندگی منزلی دائرہ میں ہی محدود تھی اور وہ گھر میں بیٹھی ہوئی اُون کا سوت کاتا کرتی تھی مگر رومامیں آرام پسندی کو رفتہ رفتہ ترقی ہوتی گئی یہانتک کہ مشہور رومانی فلاسفر کاٹن، اپنی قوم کو اس خطرہ سے ڈرانے پر کمربستہ ہوا۔ جو ایک دن ان پر بربادی لانیوالا تھا۔ اس زمانہ میں کاٹن نے وہی کام کیا جو آج ہمارے ممالک میں پردہ نسواں کے طرفدار کررہے ہیں، سچ ہے تاریخ پلٹ پلٹ کر اپنا جلوہ دکھاتی ہے مگر کاٹن کی نصیحت اسوقت مفید نہ ہوئی، چنانچہ اس کے تھوڑے ہی دن کے بعد رومانیوں کی امارت کے ٹھاٹھ اور ان کی عشرت پرستی

---

[۵] ماخوذ از المراۃ المسلمہ صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵۔

حد سے گذر گئی۔

کاٹن نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

روما کے رہنے والو! کیا تم کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے، کہ اگر تم عورتوں کو ان بندشوں کے توڑ پھینکنے کی قوت دو گے جو انھیں اس وقت پوری طرح خود مختاری نہیں دیتیں، اور جو انھیں مجبوراً اپنے شوہروں کا مطیع بنائے ہوئے ہیں تو اُن کی نازبرداری اور رضامندی آسان ہو گی، کیا آج باوجود ان بندشوں کے بھی ہم ان سے بمشکل اُن فرائض اور واجبات کی پابندی نہیں کرا سکتے جو ان کے ذمہ رکھے گئے ہیں، کیا تمھارے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آگے چل کر عورتیں ہماری برابری کا دعویٰ کرینگی اور ہم کو اپنی اطاعت پر مجبور کرلینگی تمھیں بتاؤ کہ عورتوں نے جو شورش برپا کی ہے اور جیسا بغاوت انگیز اجتماع کیا ہے وہ اپنے تئیں اس جرم سے بری ثابت کرنے کے لئے کون سی معقول حجت پیش کر سکتی ہیں۔

سنو! انھیں عورتوں میں سے ایک عورت نے خود مجھکو یہ جواب دیا تھا کہ ہماری خوشی یہ ہے کہ ہم سر سے پاؤں تک سونے میں لپٹی ہوئی اور خوشنما قرمزی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تیوہار کے دن اور تمام دوسرے دنوں میں بھی شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر سیر کریں اور خوشنما گاڑیوں پر سوار ہو کر اس منسوخ شدہ قانون پر جس کا منشا یہ تھا کہ عورتیں بہت متبذل نہ ہوں، اپنی فتح مندی ظاہر کرنے کے لئے سیر کو نکلیں، ہماری خواہش ہے کہ جس طرح تم مردوں کو انتخاب حکام کی آزادی

ماخوذ از المرأۃ المسلمۃ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷

دیسی ہی ہم کو بھی آزادی ملے، ہمارے ووٹ لئے جائیں اور ہمارا یہ بھی مقصد ہے کہ ہمارے اخراجات اور زیب وزینت کے سامان کی کوئی حد مقرر نہ ہو۔

رومانیو! تم نے مجھے اکثر مردوں اور عورتوں کی فضول خرچی کا شاکی پایا ہوگا۔ بلکہ میں نے عام لوگوں اور خود قانون داں اور قانون ساز اصحاب کی فضول خرچی کی بھی شکایت کی ہوگی تم نے میری زبان سے اکثر یہ بات سنی ہوگی کہ ہماری جمہوری حکومت دو متناقض بیماریوں میں مبتلا ہے ایک کنجوسی اور دوسری عیش پسندی، یاد رکھو کہ ان ہی دونوں بیماریوں نے بڑے بڑے متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا ستیاناس کر ڈالا ہے اور ڈرو کہ وہی روزِ بد تم پر بھی آنے والا ہے۔

کاٹن کی اس نصیحت پر یقیناً معترضین اعتراض کرینگے کیونکہ اس نصیحت میں جنسی تعصب کی جھلک ہے ان الفاظ سے کہ کل کو یہ (عورتیں) ہماری (مردوں کی) برابری کا دعوی کرینگی وہ جھلک صاف نمایاں ہے اور اُس کی نصیحت کا مطلب اصلی فوت ہوتا ہے لیکن میں جبکہ اپنی جنس کو پردہ کی جانب توجہ دلا رہی ہوں صاف طور پر اس امر کا اظہار کرنا چاہتی ہوں کہ بے شک ہماری جنس کو صنفِ رجال سے علیحدہ ہی رہنا چاہیئے کیونکہ عورت اور مرد کے آزادانہ جمع ہونے سے فطرتِ انسانی ضرور ایک قسم کا ایسا میلان پیدا کریگی جس سے مرد کاروبارِ تمدن کے حقیقی مفہوم سے دور ہو کر عیش و عشرت کی جانب مائل ہو جائینگے، اور قدرت کا وہ اصل مقصد و ہمن آیاتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ فوت ہو کر وہ فرق

مٹ جائیگا جو انسانیت اور بہیمیت میں ہے۔

حقائقِ حاضرہ

تاریخ قدیم کے اس عبرت انگیز نتیجے کے بعد ہم کو زمانہ موجودہ کی اقوام اور ممالک کی حالت بھی نظر کے سامنے رکھنی چاہیے جس سے اور بھی مفید نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں، اس سلسلہ میں وہ ممالک اور وہ قومیں (مثلاً بحر پیسفک اور آسٹریلیا کے جزائر تبت، برہما، ابی سینا وغیرہ) دائرہ غور سے خارج ہیں کیونکہ ہم ان کی وحشت و جہالت کے باعث تقلید کرنا نہیں چاہتے اور ان کی اس حالت سے اپنی حالت کو بہتر سمجھتے ہیں، البتہ ان ممالک و اقوام کی حالت ہمارے لئے قابلِ غور و مطالعہ ہے جو دولت و تمدن، علم و انصاف اور بہت سے عمدہ اخلاق اور شریفانہ اوصاف میں ہم سے برتر اور بہتر ہیں، اور فطرتاً ہمارا دل چاہتا ہے کہ ان کی سی خوبیاں ہم میں پیدا ہوں، اور اسی خواہش کے سبب سے مسائل نسواں میں بھی ان کی تقلید کے آرزومند ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغربی تمدن و معاشرت میں عورت کی آزادی، مردوں سے آزادانہ میل جول، تمدنی زندگی میں افراط کے ساتھ حصہ لینے کی کوشش اور بے پردگی کے نتائج مضر کا مجموعہ عبرت بصیرت کے لئے قابلِ مطالعہ ہے۔ خود ان ممالک کے وسیع النظر اشخاص جنہوں نے اپنے ملک کے مختلف طبقات کی اس حالت کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے، ایسے نتیجہ پر

متاسف ہیں اور اصلاح کی تدابیر کر رہے ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ بے پردگی یا آزادی نسواں کے ان نتائج کا جو اس باب میں اختصار و اجمال کے ساتھ مرقوم ہیں، مطالعہ کیا جائے، یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ کسی قوم و ملک کے تمام افراد پر ان نتائج کا اطلاق نہیں ہو سکتا، ان میں ایک معقول جماعت کے افراد عفت و عصمت نیکی و اخلاق اور مذہب و حیا کے بہترین نمونے بھی ہیں جن سے اصلی تہذیب کی عظمت و حرمت قائم ہے لیکن چونکہ قوم و ملک اپنے ہر درجہ کے تمام افراد اور ہر طبقہ کے کل باشندوں کا مفہوم ہے اور مصلحین ملک و قوم کا روئے سخن عام ہوتا ہے، اور عمومیت ہی پر بحث کی جاتی ہے اور جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں، ان میں بھی مستثنیات کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے ہم بھی مستثنیات کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کرنے سے معذور ہیں لیکن اس کتاب میں وہ ہی مضامین اقتباس کئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور خواتین اسلام کے مطالعہ کے لئے موزوں ہیں،

سوشیل حالت	ہوم سائکلوپیڈیا[1] مطبوعہ ۱۹۱۷ء Home Cyclopedia 1917.

کا مصنف سوشیل حالات پر ایک بڑی بحث کے بعد لکھتا ہے۔

اب ہم ان برے اطوار اور کاموں میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں جو کہ پریکل کے زمانہ کے یونانیوں کے تھے، مگر ہم ان کی سی نیکی، صاف دلی اور ایمانداری اختیار نہیں کرتے، آجکل مرد اور عورتوں کی اخلاقی حالت بہ نسبت یونان قدیم کے

[1] صفحہ ۹۹۲ –

باشندوں کے بہت زیادہ ابتر ہے۔

کیا مرد اور عورتوں میں ایک وسعت پذیرنیکی کی طرح اخلاق ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟ یہ ہمارے بڑے شہروں میں نہیں ہے وہ اس سے ایسے ہی معرا ہیں جیسے روما اور ایتھنز کے شہر آگسٹس کے زمانہ میں تھے، جبکہ لوگوں کے ناجائز تعلقات کو روکنے میں قانونی سزائیں بغیر تدابیر کے ناکام رہیں۔

مسٹر جولس سیماں Mr Jules Simon نے اپنے جو خیالات بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ برلن میں عورتوں کی مزدوری کے مسئلہ پر ظاہر کئے تھے ان کو مسٹر ہارگریو ایل ایڈم Mr Hargrave. L. Adam. نے اپنی کتاب وومن اینڈ کرائم Woman and Crime میں بعینہٖ الفاظ نقل کیا ہے

اس اصلاح سے اخلاقی اور مادی دونوں قسم کی بہبودی ہمارا مقصد ہے ہم کو صرف انسان کی جسمانی بھلائی کی وجہ سے مدنظر نہیں ہے کہ ہم بچوں، جوانوں اور عورتوں کو زیادہ مشقت سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ یہ بھی غرض ہے کہ عورت کو گھر کی طرف واپس کریں اور بچہ کو اس کی ماں دیدیں کیونکہ محبت اور ادب کے سبق جو عمدہ شہری بناتے ہیں صرف اسی سے سیکھے جاتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ بداخلاقی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا ہو، جس کی طرف انسان کا دل

۱؎ صفحہ ۳۰۱

خانگی تعلقات میں خرابی پیدا ہو جانے کی وجہ سے مائل ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد مصنف مذکور لکھتا ہے۔

"جس وقت یہ الفاظ کہے گئے تھے اُس وقت سے ابتک سوسائٹی کی حالت اور بھی زیادہ ابتر ہوگئی ہے اور روز بروز زردی ہوتی جاتی ہے، عورتیں برابر متاہلانہ زندگی کی ذمہ داریوں اور فرائض سے دور ہٹتی جاتی ہیں، اور متواتر نہایت ذلیل اور مضر اخلاق معاملات اور کاروبار میں شریک ہوکر قعر مذلت و آلودگی میں گری ہوئی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فہرست جرائم میں بالواسطہ یا بلاواسطہ روز بروز عورتوں کی زیادتی ہوتی جاتی ہے اور یہ حالت اُن مقامات میں زیادہ پائی جاتی ہے، جہاں عورتیں شمار میں زیادہ ہیں،"

معاشرتی انقلاب یورپ کی معاشرتی حالت میں جو انقلاب ہوا ہے اور سوسائٹی کی حالت میں جو تغیر ہو گیا ہے وہ بھی اسی آزادی اور میل جول کا نتیجہ ہے اور اس سے جس طرح مرد اور عورت کی زندگی بسر ہو رہی ہے وہ خاندان کی خوشیوں اور اوصاف انسانی کو زائل کر دیتی ہے اسی حالت پر ایک قابل مضمون نگار لیڈی فرانسس بالفور Lay Francis Balfour نے "معاشرتی زندگی کے تنزل" کے عنوان سے نہایت حسرتناک طریقہ سے لکھا ہے کہ

"ہم آجکل یہ بات اچھی طرح محسوس کرتے ہیں کہ ہماری خانگی زندگی بہت گھٹتی جاتی ہے"

؎ ماخوذ از مدرس میگزین فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۴۷ Mother's Magazine

جہاں شام ہوئی اور ہر طبقہ کے لوگ، تفریح گاہوں تھیٹروں، اور اسی قسم کے دوسرے دلچسپ سیر و تماشہ کی جگہ چلے جاتے ہیں اور پھر صبح تک ان کو اپنے گھربار کی خبر نہیں رہتی،

مالدار اور امیر لوگ تو ان تھیٹروں اور ناچ گھروں میں اور غریب مزدوری پیشہ لوگ ادھر اُدھر گلی کوچوں میں یا ایسے مقامات میں جہاں عکسی تصویروں کے تماشے اور معمولی کھیل ہوتے ہیں، پھونککر اپنا وقت گذار دیتے ہیں، یا بڑے بڑے باغوں میں ٹینس، کرکٹ، ہاکی وغیرہ کے مشغلوں میں رہا کرتے ہیں۔

پُرانے وقتوں میں یہ دستور تھا کہ جہاں شام ہوئی گاؤں بستی کے راستے بند ہو گئے کیونکہ جب نہ روشنی کا انتظام تھا، اور نہ کسی قسم کی اور کوئی تفریح میسر آتی تھی؛ شام سے بستی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس جاتے اور بال بچوں میں تھوڑا سا وقت ہنسی خوشی سے گذار کر سو رہتے تھے، کوئن وکٹوریہ کے شروع عہد حکومت میں درباری لیڈیز اور جنٹلمین جو قیصرہ ہند کی خدمت پر مامور تھے شام کے وقت ایک گول میز کے گرد بیٹھ جاتے اور یا تو بآواز بلند کوئی کتاب پڑھتے یا دستکاری میں مصروف ہو جاتے، یا کسی معاملہ پر گفتگو کرتے تھے، اگر ہم مس ایجورتھ Miss Edgeworth اور مس اسٹن Miss. Austen کے اس زمانہ کے ناول دیکھیں تو ہمیں شام کے نظارے میں یہ نظر آئیگا کہ آتشدان کے سامنے میز پر لیمپ جل رہا ہے اور میز کے آس پاس ایک خاندان کے تمام رکن بیٹھے ہوئے

ہیں، اُس وقت کا یہ روزانہ معمول تھا، بچے سونے سے پہلے اپنے دن کے پڑھے ہوئے سبق یاد کرتے تھے، لڑکیاں سوزنکاری اور پنسلی ڈرائنگ وغیرہ میں مصروف ہوتی تھیں اور مکان گویا خاندان کے باہمی تعلقات اور آپس کے میل جول کا ایک مرکز ہوتا تھا، جہاں شام کو گھر کے سب لوگ ایک جا ہوکر تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے اور گھر کے تمام کاروبار میں ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے کی مدد کرنا اپنی زندگی کا خالص فرض سمجھتا تھا، اور اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت کی خانگی زندگی ایک محدود دائرہ کے اندر تھی اور ان میں شخصی آزادی کا حصہ نام کو نہ تھا تو ہم کہیں گے کہ موجودہ اصول خانہ داری اور طریق بود و باش جو آجکل ہماری خانگی زندگی میں ہے اُس وقت کی خانگی زندگی سے بدرجہا بدتر اور تباہ کن ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ہم موجودہ ارتقاء حیات کی رو سے اُس پہلی حالت کو واپس نہیں لا سکتے؛ اور اب ہماری بستیاں اور رہنے سہنے کے مقامات اُن خطرات سے بالکل محفوظ ہو گئے ہیں جو پہلے قدم قدم پر ہمکو نظر آتے تھے، یعنی سڑکوں، بازاروں گلیوں میں روشنی کا انتظام ہے چوروں بدمعاشوں کے لئے حفاظتی پولیس پہرے چوکی پر مقرر ہے، آدھی رات کو پولیس کے افسر رعایا کی حفاظت اور نگرانی کے لئے گشت کرتے ہیں، رات کی ہوا صحت کے واسطے مضر نہیں سمجھی جاتی، مرد، عورت، لڑکے، لڑکیاں، جوان، بوڑھے، بچے سے

زیادہ میل جول کے خواہشمند پائے جاتے ہیں لڑکے، لڑکیاں ایک ساتھ مدرسوں میں پڑھتی لکھتی ہیں، غرض ہماری زندگی کا بہت بڑا حصہ ماں، باپ کی نگرانی، اور اثر سے آزاد ہوگیا ہے، مگر یہ امر ہرگز بھولنا نہیں چاہیئے، کہ قوم کا جزو اعظم خاندان ہی ہوا کرتا ہے، اور یہی خاندان آنے والی نسلوں کا گہوارہ بن جاتا ہے، اسی گہوارے میں قوم کے منتخب اور سربرآوردہ لوگ نشو ونما پاتے ہیں، اگر ہم خاندان کا شیرازہ توڑ دیں، بیاہ، شادی کے فرائض کو نظر انداز کر دیں ماں، باپ کی تعظیم اور گھر کے رکھ رکھاؤ کو پس پشت ڈالدیں تو ہماری معاشرتی زندگی کے وہ ستون گر جائیں گے جن پر تہذیب داری کی عمارت قائم ہے، عیسائی مذہب میں خاندان کو بہت بابرکت اور بلند مرتبہ کہا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اس مذہب میں شادی کی مثال ایسی ہے، جیسے خدا اور بندے کے درمیان روحانی تعلق ہوتا ہے، جس چیز کو خدا نے اس طرح ہمارے سپرد کیا ہو اور اُس کے اخلاقی فرائض ہم پر واجب کر دئے گئے ہوں اُن کو تنگ نظری اور بے توجہی سے دیکھنا انسان کی بربادی کا باعث ہے جب ہم اپنے بڑے بڑے شہروں اور دیہاتوں کی عام اخلاقی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو کیا ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم لوگوں میں گھر کے رکھ رکھاؤ اور خانگی زندگی کے قاعدے بالکل بدل گئے ہیں اب صرف تصویروں ہی میں بیاہی عورتیں اپنے بچوں کو گود میں لئے ہوئے نظر آتی ہیں، مگر واقعات اور حالات بتاتے ہیں کہ بچے ماؤں کے لئے بڑے بڑے شراب خانوں کے

باہر سڑکوں پر چیختے بلکتے دکھائی دیتے ہیں۔ لڑکیاں ایسی کم عمری میں جب
ان کو یہ بھی تمیز نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ میں کوئی فرق کر سکیں
لڑکوں کے ساتھ شارع عام پر ایسے ایسے کھیل کھیلتی ہیں، جو اُن کو دیکھتے ہوئے معصوم
بچوں کے کھیل نہیں معلوم ہوتے۔ نوجوان عورتیں ایسے مردوں کے ساتھ خلا ملا رکھتی
ہیں، جو نہ اُن کی شادی کے قابل اور کم پایہ بھی ہیں، بلکہ اپنی اخلاقی و مالی حیثیت
سے بھی تباہ و برباد ہیں اور ان لوگوں کا وجود ایسی عورتوں کے لئے نہایت ضرر
رساں ہے۔

اس موقع پر ہم اُس پرانے قاعدے کو لکھتے ہیں، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں کو
گھر میں رہنا چاہیے اور انہیں وقت پر سونا چاہیے اور ماؤں کو اپنے بچے کی پوری
دیکھ بھال، اور خبر گیری کرنی چاہیے۔ مگر جب ہم اپنے گھروں کی موجودہ حالت
دیکھتے ہیں، تو نہ شام کے وقت ہم کو گھر کے آدمیوں فیملی ممبرز Family
Members) کا مجمع نظر آتا ہے نہ چولہے پر ماؤں کو پاتے ہیں، اور باپ کو
گھر سے ایسا غائب دیکھتے ہیں کہ گویا اُس کو اپنے بال بچوں اور گھر گرہستی سے
کچھ محبت اور کوئی تعلق ہی نہیں، ہمیں بچوں میں نقصان پہنچانے والی آزادی
نظر آتی ہے اگر ہم اس حالت کو نہیں بدل سکتے اور والدین کو یہ نہیں سمجھا سکتے کہ
گھر کی غور و پرداخت ان کا پہلا فرض ہے، تو کم از کم ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے
بال بچے شام کے وقت اپنی حالت کو خراب اور تباہ کرنے سے باز رہیں، یہ درحقیقت،

کہ ہمارے بزرگوں کے وقت میں سوسائٹی میل جول کے ان اسباب اور ذرائع
سے محروم تھی اور جب یہ باتیں موجود نہ تھیں جو آج ہماری سوسائٹی کی روحِ رواں
بنی ہوئی ہیں لڑکوں کے لئے آج کل، بوائے اسکاؤٹ کے بینڈ، Boy
Band Scouts اور بوائے بریگیڈز Boy Brigades
اور لڑکیوں کے لئے ہر عقلی و جسمانی ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں، اب والدین کا فرض
ہے کہ بچوں کو ان ہی راہوں پر چلائیں، دن کے وقت تو بچے مجبوراً اسکول میں
جا کر تعلیم پاتے ہیں، کیا یہ والدین کا فرض نہیں ہے کہ اسکول کے بعد شام کے وقت
اُن کی نگرانی اور دیکھ بھال کریں، میں یہ نہیں کہتی کہ بچوں کو کھیل کود سے روکا جائے
مگر یہ ضرور کہوں گی کہ بچوں کو ان ہی انجمنوں اور جماعتوں میں شامل ہونا چاہیے،
جن کے ممبروں کا یہ فرض ہے کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ اپنے خاندان کی
عظمت اور والدین کی تابعداری کو قائم رکھیں، موجودہ ضروریات کو مدِنظر رکھتے
ہوئے میں یہ ضرور کہونگی کہ سوسائٹی میں جو کمزوری پھیلی ہوئی ہے اور ہر شخص خدا کو
بھلا کر اپنے فائدے کا خواہاں ہے اس کا فوری انسداد ہونا چاہیے، ہر انسان کو
لازم ہے کہ اخلاقی اسلحہ سے اپنے جسم کو آراستہ بنا لے، شراب خواری، عیاشی،
بیہودہ مذاق اور عیش و عشرت نے دنیا کو آج کل خطرہ میں ڈال رکھا ہے، یہ
ایسی بُری عادتیں ہیں جنہوں نے صرف اگلی قوموں کو تباہ نہیں کیا بلکہ موجودہ
خرابی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ہلاکت اور بربادی کے بھی یہی

اسباب ہیں اب ہماری قومی زندگی کے بچاؤ کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے اپنے خاندان اپنے اپنے گھربار کی اصلاح اور درستی کی طرف متوجہ ہو اور اپنی گذشتہ وقار وعظمت کا ہمیشہ لحاظ رکھے، اور اُس کی یاد کو فراموش نہ کرے۔

یہ حالت کس درجہ قابل افسوس ہے کہ عورت اپنے نسفی اور ازدواجی زندگی کے فرائض کو نظرِ حقارت سے دیکھتی ہے اور بیرونی زندگی میں قدم رکھتے ہی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور گھر کا امن خلل میں پڑ جاتا ہے یہ ابتلا اور مصیبت محض قانون فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے مسٹر ڈائس ڈکورتھ Sir Dyce Duckorth, Bt. نے اپنی ایک کتاب میں بیسویں صدی کی عورت، کے زیرِ عنوان جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ عورتوں کے فرائض کے متعلق نہایت دل چسپ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ،،

چند پرجوش لوگ دروازے کھول دینگے اور عورت کو آزاد کر دیں گے تاکہ وہ ایسا کام جو انسانی دماغ اور جسم سے ہو سکتا ہے کر سکے۔ اس کی میں سخت ترین مخالفت کرتا ہوں۔ اور میرے نزدیک عورت کو کبھی اس کام میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہیئے جو اس کے لئے موزوں نہیں ہے۔

ترقی کے کیسے ہی مدارج کیوں نہ گذر جائیں لیکن ضرورت ہے کہ ہماری عورتیں عورتیں ہی رہیں۔

سلہ ویوز آن سم سوشیل سبجکٹس صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۸ مطبوعہ ۱۹۱۵ء

Views on some social Subjects

اس کی ہم کو کیوں ضرورت ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عورت کا کام عورت ہی کر سکتی ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک تندرست عورت اپنے کام کو تھوڑے وقت میں پورا کر کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو سکتی ہے۔ اس کا ہم صاف یہ جواب دیں گے کہ خوش قسمت ہے وہ عورت جس میں یہ قابلیت اور مادہ ہو۔ خوش نصیب ہیں وہ بہنیں اور بیٹیاں۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ بیویاں اور مائیں جو نرسری اور گھر کا کام انجام دیں اپنے بچوں کی ساتھی اور رہنما بنیں۔ اپنے خاوند کی مونس ہوں اور پھر اس پر مردوں کے مقابلہ میں دنیا کے امور میں حصہ لیں، زبان کی خدمت کریں، صنعت و حرفت کے کام کریں، اور نوع انسان کی بھلائی میں کوشش کریں۔

میری رائے میں ترقی نسواں کا سب سے بڑا دشمن عورت کا ہر کام میں حصہ لینا ہے۔ اور اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اپنے حقیقی فرائض کے دائرہ سے باہر نہ ہو جائے۔ اس موقع پر اپنی یہ رائے بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ عورت اپنے کام پرائیویٹ طور پر انجام دے نہ کہ پبلک طریقہ پر۔ میں دونوں اصناف کے مساوات کا قائل ہوں، ہر جنس ایک دوسرے پر فضیلت رکھتی ہے کوئی کسی سے کم نہیں لیکن ان میں جو فرق ہیں وہ مثل خدائی احکام کے غیر متزلزل ہیں۔ اور جن کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ دنیا میں مرد کو بہت کام کرنے ہیں۔ اور

عورت کو بھی بہت کام کرنے ہیں۔ لیکن مرد عورت کے کام نہیں کر سکتے اور نہ عورت مرد کا کام کر سکتی ہے۔

زمانہ حال کا ایک اہلِ قلم لکھتا ہے کہ "دنیا کے کاموں میں پلیٹ فارم پر شکار گاہوں میں، خانقاہوں میں، تفریح گاہوں میں، عورتیں اعزاز کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ گھر کا کام کاج کون دیکھے گا، بچوں کو کون پالے گا۔ اور تمام عورتوں کے کام کون کرے گا۔؟ ایک وفادار بیوی ایک بہن اور ماں کی جگہ کون لے گا جو اِن تمام ذمہ داریوں کو ایمانداری سے انجام دے جیسا کہ عورتوں کو چاہیے۔ وہ کونسی عورت ہے جو ان تمام فرائض کے ادا کرنے کے بعد اتنا وقت بچا لیگی کہ قومی پلیٹ فارموں اور شکار گاہوں میں چمک سکے۔

میں تو کبھی نہیں پسند کرتا کہ عورتیں پبلک میں تقریریں کریں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ عورتیں عورتوں ہی کے کام خوشی سے گھر میں انجام دیں اور میرے نزدیک عورتوں کے لئے پبلک لائف کسی طرح موزوں نہیں۔

زمانہ حال کی چند رایوں کے خلاف میری رائے ہے کہ بائیس برس کی عمر کے بعد عورت کا قدرتی فرض اُس کی ازدواجی زندگی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اور کوئی کام دنیا میں کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ ازدواجی زندگی سے پہلے اور اس کے بعد عورت کا خاص کام تیمارداری ہے۔

میں اُن لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جن کی یہ رائے ہے کہ عورت کو ہر پیشہ

سکھلانا چاہیے۔ میں کسی پیشہ کو بھی عورت کے لئے موزوں نہیں سمجھتا۔ چاہے وہ کسی قدر توانا و تندرست کیوں نہ ہوں میں اپنے اصول میں صرف ایک استثنا ان عورتوں کا کروں گا جو ہندوستان کی پردہ دار عورتوں کے لئے لیڈی ڈاکٹر بنتی ہیں امریکہ کی زندگی نے مجھے سکھلا دیا ہے کہ کسی پیشہ ور عورت سے ملنا کس قدر ناگوار خاطر ہوتا ہے، مجھے اس میں شک نہیں کہ بعض عورتیں پیشے اختیار کر سکتی ہیں لیکن میری رائے میں مردوں کے مقابلہ میں آکر وہ اصلی دائرۂ نسواں سے باہر ہو جاتی ہیں اور میں نہیں مانتا کہ ہم کو کچھ بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ عورتیں کوئی پیشہ اختیار کریں[۵]۔

اگر عورتیں مردوں کے مقابلے میں کھڑی ہو جائیں، تو آگے چلکر ان کو پست ہونا پڑے گا، اور مردوں کے مصائب کی فہرست میں جو اول ہی سے زبردست ہیں اور اضافہ ہو جائیگا۔ قدرت نے ان کو جسمانی اور دماغی کاموں کے لئے مرد کی طرح نہیں بنایا ہے اور وہ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں، جو عورت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اس جنس سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ مناسب وقت پر

[۵] میں اس رائے سے تھوڑا سا اختلاف رکھتی ہوں، میری رائے میں ایسے پیشے جو گھر کے اندر بیٹھکر یا مردوں سے آزادانہ میل جول کے بغیر اختیار کئے جا سکتے ہیں، ان میں کوئی ہرج نہیں خصوصاً لیس بنانا، سلائی، خوشنویسی، جلد سازی، معلمی وغیرہ نرس کا کام تو اپنی ہی اولاد کی پرورش کے لئے ضرور سیکھنا چاہیے۔

خود اُس (عورت) کو بھی آگاہ کر دیں، چند مثالیں اس اصول کے خلاف بھی ملینگی لیکن وہ تو مستثنیات ہیں جو کلیہ کو ثابت کرتی ہیں۔

"علم سیکھو، عقل حاصل کرو زندہ اور مردہ زبانیں جانو تاریخ اور ریاضی پڑھو، اگر تمھارے امکان میں ہے، مگر مرد تم کو صاف کہہ رہے ہیں کہ گھر کے کام کا عملی علم بھی تم کو ہونا ضرور ہے، صرف کتاب کا کیڑا ہو جانا تمھارے لئے موزوں نہیں ہے، عورتیں ہی عورتوں کے کام کرتی ہیں، کوئی مرد تو کریگا نہیں، بہتر ہے کہ کتابوں کو اُس وقت تک نہ چھوؤ، جب تک کہ یہ کام تکمیل کو نہ پہونچ جائے ہم پوچھتے ہیں گھر میں کون رہیگا؟ گھر کے کام کا ساتھی کون بنے گا؟ مرد تو اپنے کام سے باہر جائیگا، عورت کو گھر میں ٹھہرنا چاہیے، میں کہتا ہوں ذرا اتنا سوچو کہ مرد باہر کے کام سے گھر واپس آتا ہے، لیکن اس کی زندگی کی ساتھی اپنی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہے اور اپنی دنیا الگ بنا رکھی ہے، نہ گھر کے کام سے غرض نہ گھر والوں کے آرام کا خیال، اگر تم کو کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہے تو ہاتھ اور انگلیوں سے کام لینا بھی سیکھنا چاہیے، میرا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمیشہ موزے بنتی رہو۔ زردوزی میں مصروف رہو بلکہ تم کو ان کے بنانے اور مرمت کرنے کا ہنر سیکھنا ضروری ہے کیونکہ یہی عورت کا ہنر ہے۔ اور تمھاری اعلیٰ تعلیم کے یہ معنی نہ ہونے چاہئیں کہ فیشن سیکھو۔ یا ایسا انوکھا لباس پہنو جیسا دوسری عورتیں نہ پہنتی ہوں۔ اپنے ہنروں کو پوشیدہ رکھنے کا ہنر سیکھو، اور خاموش مطالعہ پر قانع نہ ہو

اگر عورتیں مردوں کا کام انجام دیں اور اُن کے مشاغل اختیار کرنے لگیں تو جو نتائج نکلیں گے اُن سے مردوں کے لئے مجھے بڑا خطرہ ہے۔

میرے نزدیک اعلیٰ تعلیم میں کتابی تعلیم کے علاوہ اور بھی کچھ شامل ہے نسوانی اوصاف و محاسن میں کمال حاصل کرنا بھی اُس کا ایک جزو ہے۔

جو حالت عورتوں کے تمدنی کاموں میں حصہ لینے سے پیدا ہو گئی ہے اور اس سے جو خطرات رونما ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں اور واٹر، ڈبلو، ایم، گیلی چین Walter M. Gallichan. نے "اپنی کتاب زمانہ حال کی عورت اور اُس کا انتظام[1]" میں جو بحث کی ہے، اُس کا اقتباس پڑھنے کے قابل ہے کہ

آج کل نوجوان عورت اس سب (پرانے طریقوں) کو بدل رہی ہے، وہ آزادانہ زندگی کے مسئلہ پر گفتگو کرتی ہے، اس کی اکثر خواہش یہ ہے کہ گھر سے بھاگ نکلے اور اپنی روزی بھی خود ہی حاصل کرے، اور وہ اس خیال کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے کہ ازدواجی حالت عورت کی زندگی کا مقصد اور مدعا ہے۔

مرد ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں "عورت نادان ہے اُس کی تعلیم میں وقت ضائع نہ کیا جائے" عورتوں نے اس خیال کو بغیر کسی مخالفت کے مان لیا اور اپنے باپوں، بھائیوں، اور خاوندوں کو خوش رکھنے کے لئے نادان ہی بنی رہیں لیکن اب عورتوں نے ہتھیار اُٹھائے ہیں، اب سخت بغاوت شروع ہو گئی ہے، لیکن اس سے

---

[1] Modern Woman and How to manage her صفحہ ۷۶ و ۷۹

گھر کے امن میں نقص واقع ہوتا ہے میں بیسیوں خاندان بتلا سکتا ہوں، جہاں یہ مصیبت برپا ہے۔

ایک جوان عورت جو اپنی ذات کے اعتماد پر اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اپنی بغاوت کا خمیازہ خود بھگت لیتی ہے، اگر وہ گھر کے اور خصوصاً والدین کے تعلقات اور اثرات سے جدا ہوتی ہے تو مصیبتوں میں پڑ جاتی ہے۔ اُس کا باپ سمجھاتا ہے، ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے، اُس کی ماں، اپنا سر پکڑ کر روتی ہے اس "ہوشیار لڑکی" پر بہت اثر ہوتا ہے لیکن وہ جو ٹھان چکی ہے وہی کرتی ہے۔

اپنی بیوی کو باغ کا کام کرنے کی ترغیب دو، اُسے پھاوڑا اور کدالی چلانے دو، اُسے گھاس کاٹنے کی مشین چلواؤ گھر کا کام عورتوں کے لئے نہایت اچھی چیز ہے، میں نے ان عورتوں کی صحت کو نہایت اچھی حالت میں دیکھا ہے، جو ایک یا تمام نوکروں کو علحدہ کر کے گھر کا کام خود کرتی ہیں۔

درمیانی درجہ کی عورت بہت آرام طلب بنجاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قدر چڑچڑی اور بدمزاج ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، جب عورت کو کوئی کام کرنے کو نہیں ہوتا تو وہ اس خطرناک خیال میں کہ وہ ایک عورت ہے مستغرق ہو جاتی ہے۔

اکثر عاقبت اندیش عقلائے یورپ و امریکہ اس رائے پر متفق ہیں کہ عورت کی آزادی اور اُس کا خارجی زندگی میں حصہ لینا سخت خطرناک اور مصیبتوں کا باعث ہے

وہ اس بات کو منشائے فطرت کے مطابق تسلیم کرتے ہیں کہ عورت گھر میں بیٹھکر اپنے فرائض انجام دے اور اسی میں نوع انسان کی فلاح و بہبودی ہے۔

امریکہ کا ایک اہل قلم عورت کی یہ تعریف کرتا ہے[۱]

"عورت سوسائٹی کی محتاج نہیں وہ خود سوسائٹی ہے، وہ سوسائٹی کا ایک اہم جزو ہے سوسائٹی میں وہی اخلاقی پابندیاں اُس پر عائد ہوتی ہیں جو مرد پر بلکہ اس پر اضافہ یہ کہ وہ محبت اور عزت کی مستحق ہے، لیکن اگر عورت اپنے فرائض کے ادا کرنے میں قاصر ہو تو وہ وہی درجہ رکھتی ہے، جو وہ مرد رکھتے ہیں جو اپنے فرائض ادا نہیں کرتے اگر عورت اپنے فرائض پورے پورے ادا نہ کرے تو سوسائٹی کا خاتمہ ہو جائے، اور اگر وہ ان کو پورے پورے ادا کرتی رہے تو بے شک وہ ہر عزت کی مستحق ہے۔"

چولس[۲] سیمان Jules Simon کہتے ہیں۔

"عورت کو چاہیئے کہ عورت رہے، ہاں بے شک عورت کو چاہیئے عورت رہے۔ اسی میں اُس کے لئے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اُس کو سعادت کی منزل تک پہونچا سکتی ہے قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے اس لئے جس قدر عورت اُس سے قریب ہو گی اُس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھیگی اور جس قدر دور ہو گی اُس کے مصائب ترقی کریں گے۔

---

[۱] ظل السلطان ماہ اپریل ۱۹۱۰ء جلد ۴ نمبر ۱۱۔

[۲] ماخوذ از مراۃ المسلمہ صفحہ ۷۳ بحوالہ ریو آف ریویوز۔

بعض فلاسفہ انسانی زندگی کو مکروہ اور پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں انسان کی زندگی دلفریب، پاک اور بے حد پاکیزہ ہے اگر ہر مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اس کے لئے قرار دئے ہیں اور اپنے ان فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اس کے متعلق کر دئے ہیں۔

جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کا فرض انجام دیتی ہے مگر افسوس ہے کہ عورت نہیں رہتی۔

لارڈ بائیرن[۱] Lord Byron انگلستان کا بہت بڑا ممتاز لارڈ اور مشہور شاعر کہتا ہے۔

اگر کوئی مطالعہ کرنے والا اس بات کو سوچے کہ (قدما یونان کے) زمانہ میں عورتوں کی وہی حالت تھی جس کو عقل تسلیم کرتی تھی اور اگر تم موجودہ حالت کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو (قرون وسطیٰ کی برائی میں سے کوئی برائی ایسی نہ ہوگی جو اس زمانہ موجودہ میں نہ پائی جاتی ہو، اور یہ حالات طبیعت کے بالکل خلاف ہیں، اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میں تو یہی کہونگا کہ عورتوں کے ضروری مشاغل یہ ہونے چاہئیں کہ وہ اپنے خانہ داری کے کاموں کو اچھی طرح انجام دیں اور کھانا پکانے اور لباس وغیرہ میں اچھا سلیقہ پیدا کریں، اور ان کے لئے پردہ ایک ضروری چیز ہے تاکہ یہ اس کے ذریعہ

---

[۱] ماخوذ از کتاب النساء صفحہ ۴۳۔

سے اپنے کو دوسروں کے میل جول سے محفوظ رکھ سکیں۔

فاضل پروفیسر فریرو[1] لکھتا ہے۔

"یورپ میں بہت سی ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جنہوں نے مردوں کے سے کام کرنے کے باعث شادی، بیاہ کو ترک کر دیا ہے۔ ان عورتوں کو عورت اور مردوں کے سوا ایک تیسری جنس کا نمونہ کہنا چاہیے کیونکہ ان کو مردوں سے تو جسمانی ترکیب اور طبیعت میں یکساں نہ ہونے کی وجہ سے مشابہت نہیں ہے۔ اور عورتیں اس لئے نہیں ہیں کہ اپنے طبعی فرائض ادا نہیں کر سکتیں۔"

اس تمدنی کشمکش، معاشرت اور تہذیب نے جو آزادانہ میل جول اور روز افزوں اسباب تعیش کا نتیجہ ہے۔ ازدواجی زندگی پر وہ برا اثر ڈالا ہے کہ شادی سے گریز کی جاتی ہے اور اگر ہو جاتی ہے تو ناکام رہتی ہے۔ اور یہ ناکامی اس قدر عام ہے کہ اس پر مختلف طریقوں سے غور کیا جا رہا ہے کچھ عرصہ گذرا کہ ایک عورت مسز مونا کیرڈ Mrs. Mona Caird نے انگلستان کے ایک مشہور رسالہ ویسٹ منسٹر ریویو West Minister Review میں ایک مضمون شادی کی ناکامیوں پر شایع کیا تھا جس پر ایک روزانہ اخبار ڈیلی ٹیلی گراف میں ۲۷ ہزار آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے زن و مرد تھے۔ ان ڈیبیٹ پر بحث کی، اور پھر ان مضامین کا انتخاب کتابی صورت میں "از میرج اے فیلیور" Marriage a Failure

[1] ماخوذ از تربیت المرأۃ والحجاب مولفہ محمد طلعت حرب صفحہ ۳۵

(کیا شادی ناکام ہے) کے نام سے شایع ہوا ہے۔ اس کتاب میں سے ایک لڑکی کے خط کا خلاصہ یہ ہے

کہ "بہت سی مصیبتیں جو شادی شدہ آدمیوں کو پیش آرہی ہیں۔

اُس کی وجہ غلط تعلیم ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو شادی کے مدعا کی تعلیم

نہیں دی جاتی، محبت کا بڑا راگ گایا جاتا ہے لیکن ذاتی ایثار جو سچی محبت کے

معنی ہیں نہیں سکھلایا جاتا، اگر اس پر عمل کیا جائے تو وہ افسوس ناک واقعات

جو اخبارات میں شایع ہوتے ہیں، پیش نہ آتے۔"

ایک پادری[۵۲] صاحب لکھتے ہیں کہ "بہت سے مرد اور عورتیں جو شادیاں

کرتے ہیں ان کو کوئی خیال اس امر کا نہیں ہوتا، کہ شادی شدہ زندگی میں

کیا تعلقات قائم رہنے چاہئیں .... شادی شدہ مرد اور عورتوں میں

ناخوشی کے اسباب بہت سے ہوتے ہیں، لیکن ایک بڑی جماعت میں اس کا سبب

یہ ہے کہ وفاداری کے ساتھ اس معاہدہ کو پورا نہیں کرتے جو شادی کے دن

کیا جاتا ہے۔"

مسز اینی بسنٹ[۵۳] Mrs. Annie Besant لکھتی ہیں

"دوسرا امر تمام مہذب ممالک میں مرد اور عورت کے موجودہ تعلقات ہیں، سچا

اور راست بازانہ تعلق ایک مرد اور ایک عورت میں ایک بلند مطمح نظر ہے،

---

[۵۱] صفحہ ۲۰۶ [۵۲] صفحہ ۲۰۳۔

[۵۳] اسلامک ریویو ستمبر ۱۹۱۶ء Islamic Review Sept 1916

جس کا وعظ بعض ممالک میں کیا جاتا ہے مگر عملی رنگ میں عموماً کہیں نہیں پایا جاتا"

ڈاکٹر رسل وب[۵۱] Dr Russell Webb کہتے ہیں۔

میرے ساتھ یورپ یا امریکہ کے کسی بڑے شہر میں چلو اور دیکھو کہ تمدنی اور معاشرتی معاملات میں کیسے بُرے نظارے نظر آتے ہیں، اخباروں کو اٹھاؤ اور طلاق کے مقدمات کی کارروائیوں، بدنام شدہ شہرتوں کی حالت اور شادی کے بعد خانہ بربادیوں کے تذکرے پڑھو اور مجھ سے بتاؤ کہ یہ چیزیں جن پر فخر کیا جاتا ہے کیا واقعی اچھی ہیں اور کیا یہ اچھے رواج ہیں"

مسٹر ای، الف، بنسن[۵۲] E.F Benson اپنے ایک مضمون میں ایسے ہی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"قومی زندگی کی بنا خانگی زندگی کا صحیح و بے عیب ہونا ہے، اگر مکان ہی کی ساخت بوسیدہ ہو تو وہ وقت دور نہ ہوگا کہ پوری عمارت ڈگمگا کر نیچے آ رہے، اور اس حالت میں اگر اسے سر بفلک کرنا ہے تو ضرور ہوگا کہ دوسرے سرے سے بالکل نئی بنیاد ڈالی جائے، لیکن جس طرح کہ یہ مصیبت قریب اور جلد نازل ہونیوالی

---

[۵۱] اسلامک ریویو ستمبر ۱۹۱۶ء Islamic Review Sept 1916

[۵۲] ماخوذ از ترکوں کی معاشرت بحوالہ فورٹ نائٹلی ریویو صفحہ ۳ Fortnightly Review

ہے اسی طرح علاج بھی پاس ہے یعنی ہماری قوم کی بیبیوں اور بیٹیوں کے ہاتھ ہیں۔"

دی گریٹ ان میرڈ[1] The great unmarried کا مصنف لکھتا ہے۔

اس زمانہ کے اعلیٰ طبقہ کے مصنوعی تجرد والے عموماً اپنے عنفوانِ شباب اور جوانی میں آوارگی اور اغوا میں بسر کرتے ہیں اور درمیانی عمر میں کسی نوجوان لڑکی سے جس کے پاس کافی دولت ہو شادی کر کے زندگی گذارتے ہیں۔ اکثر اوقات[2] وہ اپنی بیوی کے روپیہ کو اڑا ڈالتا ہے اور اس سے لاپروائی اختیار کر لیتا ہے، اور پھر اپنی سابقہ حرکتوں کی طرف عود کر جاتا ہے ایسی مثالیں (ایک شادی کی) مغربی اقوام میں عام ہیں۔

ان حالات کے سوا معصوم اور ناتجربہ کار لڑکیوں کی فراری بھی اسی آزادانہ رویہ کا نتیجہ ہے چنانچہ اعلیٰ[3] اور ادنیٰ دونوں طبقوں میں بہت کثرت سے ہوتی جاتی ہیں صرف

---

[1] ماخوذ از ترکوں کی معاشرت بحوالہ فورٹنائیٹلی ریویو صفحہ ۲۰۷ Fortnightly Review

[2] افسوس ہے کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، بعض اوباش طبع شوہر اپنی بیویوں کی دولت و جائداد جو ان کو اپنے والدین کے یہاں سے ملتی ہے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کو ہمیشہ رنج و غم کا سامنا رہتا ہے جو عورتوں کی مظلومی مردوں کی بے وفائی اور خاصکر مسلمانوں میں علم دین کی ناواقفیت کی بھی دلیل ہے۔

[3] ہوم سائکلو پیڈیا صفحہ ۱۱۱۔

امریکہ کے اندر ایک سال میں ۵۰۰ واقعات فراریوں کے ہوئے کیا یہ شریف عورتیں اگر پردہ نشین ہوتیں تو پھر بھی ان کی ترغیب وتحریص کا ایسا مسلسل موقع مل سکتا تھا؟ کیا ان کی زندگی کی بربادی کا سوائے بے پردگی کے اور بھی کوئی سبب ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب بجز نفی کے کچھ نہیں دیا جا سکتا۔ پردہ نشینی کی حالت میں شریف لڑکیوں کے گرد کسی قسم کا سامان اغوا نہ ہوتا، اور وہ ان ناگوار و تلخ حالات میں گرفتار نہ ہوتیں جن سے بے پردگی کی صورت میں سابقہ پڑتا ہے۔

ایک خاتون لیڈی کک[1] Lady Cook رسالہ ایکو میں لکھتی ہے

"اختلاط ایسی چیز ہے جس سے مرد عورتوں کو مانوس بنا لیتے ہیں اسی لئے عورتیں اپنی فطرت کے خلاف اس چیز کی طمع کرتی ہیں اور اسی اختلاط کی کثرت سے ناجائز اولاد کی کثرت ہوتی ہے، عورت کو سخت مصیبت برداشت کرنا پڑتی ہے کیونکہ جس مرد سے وہ حاملہ ہوتی ہے وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے، اور اس کو فاقہ کی تکلیفیں اور ذلت و رسوائی کی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں، بلکہ بعض اوقات اس کا انجام موت ہوتا ہے فاقہ کی وجہ یہ ہے کہ حمل اور اس کے عوارض کی وجہ سے وہ کام کرنے سے معذور رہتی ہے، جس کے ذریعہ سے اپنی قوت حاصل کرتی اس سے زیادہ ذلت و رسوائی اور کیا ہوگی کہ اکثر عورتیں خودکشی کر لیتی ہیں اور مرد کو ان میں سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کے علاوہ سارا الزام

[1] ماخوذ از ام الدنیا صفحہ ۸۲ و ترکوں کی معاشرت صفحہ ۷۱

اور تمام جوابدہی عورت ہی کے ذمہ ہوتی ہے حالانکہ اختلاط کا سبب زیادہ تر مرد ہے۔

کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ان وسائل کی نسبت بحث کریں جو اس مصیبت میں کسی قدر کمی کرنے والے ہوں جو مغربی تہذیب کے لیے ایک بدنما دھبہ ہے۔

کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ایسے طریقے اختیار کریں کہ لاکھوں بے گناہ بچے قتل سے محفوظ رہیں، اس کا گناہ صرف مرد ہی کے ذمہ ہے جو عورت کو اغوا کرتا ہے اور وہ بوجہ اپنے رقیق القلب ہونے کے مردوں کے وعدوں کا یقین کر لیتی ہے پھر وہ چھوڑ دیتا ہے اور وہ سخت عذاب کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اے آباء آپ اپنی لڑکیوں کے چند روپیہ کمالینے اور مردوں کے کاموں میں مشغول ہونے پر دھوکا نہ کھائیں وہ ایسی ہی ہو جائیں گی جیسا میں نے ذکر کیا ہے، ان کو تعلیم دیجئے کہ وہ مردوں سے دور رہیں، اس لئے کہ شمار و اعداد سے ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ مردوں کے میل جول سے جو بلا پیدا ہوتی ہے وہ عظیم الشان اور خطرناک ہے۔

اگر اس دنا رت کا یہی حال رہا تو اس کا تصور بھی ناممکن ہوگا یہانتک کہ ہم دیکھیں گے ہمارے شہر کے مردوں کو کہ انھوں نے عورتوں کے ساتھ شادی کرنا چھوڑ دیا، وہ کسی لڑکی کا بیوی بنانا اُس وقت تک نہ پسند کرینگے، جب تک ان کو تجربہ نہ ہو جائیگا، یہ مدنیت کی انتہائی پستی ہے، ایسی کتنی عورتیں ہونگی، جو زندگی کی ناخوشگواریوں سے اُن کی کفالت میں رہ سکتی ہیں۔ جن کو اپنا شوہر بنایا تھا، وہ ان

بچوں کی طرف نہ دیکھتا ہے نہ اُس کی کوئی پرواکرتا ہے، ایسی عورتوں پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ عورت کے حاملہ ہونے کی حالت میں اُس کی اور ضرورتوں میں، بیماریوں میں، وضع حمل کے زمانہ اور اُس مصیبت و تکلیف میں کوئی اُن کا معاون ہوتا ہے"

ایسی تمام افسوس ناک حالتیں ان مستقل اور مبسوط کتابوں میں زیادہ تر نظر آتی ہیں جو محض صلاح کی غرض سے لکھی گئی ہیں ڈاکٹر ایلزبتھ اسلون چیسر Dr Elizabeth Sloan Chesser کی کتاب ویمن میرج اینڈ مدر ہڈ Woman, marriage and motherhood (عورت ازدواج اور شانِ مادری) مطبوعہ ۱۹۱۳ء جو نہایت ملائم اور ہمدردانہ ہے پڑھ کر عبرت کرنے کے قابل ہے۔ اِس کتاب میں اِن اثرات کو دکھایا گیا ہے جو قوانین رسم ورواج، ماں اور بیوی کی قانونی حیثیت اور حفظانِ صحت کے قدرتی قواعد کی عدم واقفیت اور صنعتی و حرفتی حالتوں اور کارخانوں میں کام کرنے سے ایک ماں کی زندگی پر پڑتے ہیں، اور اِن نتائج پر بحث کی ہے جو آجکل ولادت میں ظاہر ہوئے ہیں جن سے کمزور اور جسمانی، حیثیت سے ناقابل اولادیں پیدا ہوتی ہیں اور بچوں کی اموات میں خوفناک اوسط ہو جاتا ہے، اور یہ اسباب شمار و اعداد سے دکھائے گئے ہیں، اور عورت کی اقتصادی زندگی اور وہ افلاس جس سے بد اخلاقی کی طرف رغبت ہوتی ہے اور گناہ کا معاوضہ جو کہ بیماری اور موت کی صورت میں ملتا ہے، بیان کیا گیا ہے، اور اِن کی

اصلاحوں پر جو مغربی نقطۂ نظر سے مفید معلوم ہوئی ہیں زور دیا گیا ہے۔

جدید تہذیب کا اثر

تہذیب دراصل ان اخلاق و اوصاف انسانی کے ارتقاء کا نام ہے جن کو انسان روزمرہ کی زندگی اور عام ارتباط و معاشرت میں عادتاً ظاہر کرتا رہتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب وہ خود نمائی، فیشن، اسباب راحت اور معیشت و معاشرت کے چند مقررہ آداب و قواعد کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے، اس جدید تہذیب کا اثر عورت و مرد کے سوشیل ارتباط کی وجہ سے عورتوں پر بہت زیادہ ہو رہا ہے، جس سے اخلاقی بنیادیں اندر ہی اندر کھوکھلی ہو رہی ہیں، اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عام طور سے مغربی ممالک میں تجرد کی زندگی اختیار کی جاتی ہے چنانچہ مسٹر والٹر ایم گیلی چن[۵۱]۔ W.M. Gallichan نے ایک مستقل کتاب اسی بحث پر لکھی ہے، جس میں کثیر التعداد عورتوں کی غیر اختیاری اور مردوں کے چھوٹے تجرد پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے وہ اس مسئلہ کو سوشیل اور اخلاقی عقدہ سے تعبیر کر کے اس کے خطرات سے ملک کو مطلع کرتا ہے اور یہاں تک اس کا دعویٰ ہے کہ

وحشی فرقوں میں جو بے حیائی مشاہدہ کی جاتی ہے وہ زیادہ تر تہذیب کے اثرات بد کا نتیجہ ہے، وہ تسلیم کرتا ہے کہ وحشی لوگوں میں انتہائی برائیاں اور کسب کی عادتیں بکثرت اثرات تہذیب سے ہیں اور تقریباً ہر جگہ وحشی اور نیم تربیت یافتہ قوموں میں

---

۵۱ دی گریٹ ان میرڈ صفحات ۴۳، ۵۵، ۹۲۔

The great unmarried

عفت عام طور پہ ہے . . . . . . زن و مرد کے اخلاق میں اگر بہت سی وحشیانہ سوسائٹیوں کا مقابلہ مہذب ممالک کے تعشق انگیز عادات سے کیا جائے تو نہایت تعجب ہوتا ہے ۔ تجرد کی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک عام عذر یہ ہے کہ عورتوں کی فضول خرچی روز بروز بڑھ رہی ہے ۔

معاشرت پر بھی تہذیب جدید یا ترقی تہذیب نے کوئی اچھا اثر نہیں ڈالا اور جب مصلحین مغرب اس تہذیب کا وحشی یا نیم مہذب قوموں کی تہذیب کا مقابلہ کرتے ہیں تو نتائج میں اپنی تہذیب کی خرابی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں چنانچہ کرائم اینڈ اٹس کازیز Crime and its causes. کا مصنف کہتا ہے کہ[1]

بہت سی وحشی قومیں جو کہ اپنی قدیم معاشرتی زندگی میں رہتی ہیں وہ یورپ اور امریکہ کی نہایت تربیت یافتہ جماعتوں کے مقابلہ میں انسان کی ذات اور اس کے مال کی عزت کا بہت اچھا نظارہ پیش کرتی ہیں ،

عورتوں کی مجرمانہ زندگی | بے پردگی کے وہ نتائج جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان میں وہ نتائج نہایت اہم ہیں جو جرائم کی صورت میں بطور نتیجہ لازمی کے وقوع میں آتے ہیں ۔ مسٹر مارلیسن Mr. Morrison جو ایک نہایت وسیع المعلومات شخص ہیں اور ایک خاص قید خانہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اپنی کتاب ۔

[1] صفحہ ۶ دیباچہ ۱۲ ۔

کرائم اینڈ اٹس کازز[۱] Crime and its causes مطبوعہ ۱۹۰۲ء جرائم اور اُن کے وجوہ میں یورپ میں جرائم پیشہ لوگوں کے پیدا ہونے کے وجوہ دکھائے ہیں۔ اور ان پر بحث کی ہے۔ اور ہر جگہ کے شمار و اعداد اور کچھ واقعات لکھے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ مغربی ممالک میں ۹ فی صدی سے ۱۸ تک عورتیں مجرم ہوتی ہیں اور نوزائیدہ بچوں اور بزرگوں کا مار ڈالنا، اسقاط، زہر خورانی، اور گھروں میں سے چوری کرنا یہ وہ جرائم ہیں جن میں عورتیں مردوں سے زیادہ مبتلا ہیں۔ اور بزرگوں کے مار ڈالنے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اور مردوں سے زیادہ بچوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، سزائیں پاتی ہیں اور قتلِ عمد یا اقدامِ قتل میں ان کا تناسب ۲۷ فی صدی ہے عورتیں مردوں سے زیادہ سخت جرائم پیشہ ہوتی ہیں اور مکرر سزایاب ہوتی ہیں۔
یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عورتیں کثرت کے ساتھ ارتکاب جرم کی ترغیب دیتی ہیں اور خود سزا سے بچ جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ارتکاب میں خود حصہ نہیں لیتیں۔

پھر مصنف نے جنوبی اور شمالی ممالک کی عورتوں کی آزادی اور عزلت نشینی سے بحث کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ جنوبی یورپ میں عورتیں اخلاقی حیثیت سے شمالی عورتوں سے بہتر ہوتی ہیں اور ان کی زندگی کی معاشرتی حالتیں ان کو جرائم سے محفوظ رکھتی ہیں یا یہ وجہ ہے کہ جنوبی حصہ میں مرد جس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اُن جرائم کے لئے عورتیں ناقابل ہوتی ہیں یہ بالکل واضح طور پر معلوم

[۱] صفحات ۱۵۰ تا ۱۵۵۔

کہ جنوبی یورپ میں عورتیں بہت زیادہ عزلت نشینی کی زندگی بہ نسبت شمالی عورتوں کے بسر کرتی ہیں وہ بہت کم زندگی کی تحریکوں وغیرہ میں شریک ہوتی ہیں۔

اس لئے یہ معلوم کرنا کوئی تعجب خیز نہیں ہے کہ وہ جرائم کی کم مرتکب ہوتی ہیں۔

پھر وہ مختلف ممالک کا مقابلہ کرتے ہوئے ان عورتوں کے متعلق لکھتا ہے۔

لیکن اس کا باعث ان کی وہ عادتیں ہیں جو عزلت نشینی[۱] کی زندگی سے پیدا ہوتی ہیں اور ان سے وہ مجرمانہ قسم کی اخلاقی آلودگی سے بچی رہتی ہیں۔

وہ عورتوں کی تمدنی زندگی کو بھی جرائم نسوانی کا بڑا سبب قرار دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔

کسی قوم کے جرائم نسوانی کا بہت کچھ دار و مدار اس قوم کی عورتوں کی تمدنی زندگی پر ہے، ان تمام ممالک میں جہاں عورتیں معاشرتی رسم و رواج کی وجہ سے علیحدگی اور عزلت نشینی کی زندگی بسر کرتی ہیں ایسے جرائم کا اوسط بالکل گر جاتا ہے اور اس کی مثال یونان[۲] کی مجرم عورتیں ہیں۔

حکومت یونان کے قید خانوں کی رپورٹ ۱۸۹۰ء بتلاتی ہے کہ مجموعی تعداد قیدیوں کی ۵۰۲۳ تھی جن میں سے صرف پچاس عورتیں تھیں اس کے خلاف ان ممالک

۱؎ عزلت نشینی کا دوسرا نام پردہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ پردہ کی تائید میں بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ جرائم سے بھی روکتا ہے۔

۲؎ یونان میں قبل از شادی لڑکیوں کو مردوں کی سوسائٹی سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے اور مثل لڑکی کے وہ پردہ میں رہتی ہیں البتہ بعد شادی ان پر کوئی قید عائد نہیں ہوتی،

میں جس میں عورتیں مردوں کے ساتھ زندگی کے عملی کاموں میں زیادہ حصہ لیتی ہیں، جرائم نسواں کا اوسط سب سے بڑھ جاتا ہے اس کی مثال اسکاٹ لینڈ کی جرائم پیشہ عورتیں ہیں جن کی سب سے زیادہ تعداد ہے ۱۸۸۹ء کی رپورٹ عدالتہائے فوجداری سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مقدمات میں سے ۳۰ فی صدی ان جرائم سے تعلق رکھتے ہیں جن کا ارتکاب عورتوں سے ہوا ہے۔

اس میں مطلق شبہہ باقی نہیں رہتا کہ اسکاٹ لینڈ میں اس قدر زبردست اوسط کی وجہ وہاں کی عورتوں کا تمدنی درجہ ہے۔ یورپ کے کسی اور ملک میں عورتیں اس قدر جسمانی کام نہیں کرتیں۔ وہ کھیتوں اور کارخانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ وہ اپنی گذر اوقات کے لئے مردوں کی محتاج نہیں۔ اور بہترین مالی حالت کے ساتھ جس کو اعلیٰ زندگی کہتے ہیں بسر کر رہی ہیں جو کسی اور ملک کی عورتوں کو نصیب نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ تمدنی کشمکش میں مردوں کی طرح مبتلا ہیں۔ اس لئے وہ ارتکاب جرائم میں بالکل اُن ہی جیسی ہیں۔

اسکاٹ لینڈ کے شمار اعداد اس کلیہ کے قائم کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں جو عام طور پر تمام ملکوں کے شمار و اعداد سے بنایا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتیں جس قدر کشمکش زندگی میں حصہ لینگی اُسی قدر اُن میں مجرموں کی تعداد بھی زیادہ ہو گی۔ یہ امر سوسائٹی کے مستقبل کے لئے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور اس لئے نہیں اچھا معلوم ہوتا جیسا کہ آجکل عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ جس درجہ تک ممکن ہو عورتوں کو

صنعتی اور پبلک زندگی میں حصہ دیا جائے عورتوں کی سیاسی جماعتوں اور دوسری مجلسوں کو لوگوں کے اس عام خیال نے جو مدد دی ہے اس سے ان میں استحکام پیدا ہو گیا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کی اخلاقی حالت گرتی جاتی ہے سوسائٹی کے موجودہ صنعتی ڈھانچ میں ایک بڑی تعداد ایسی عورتوں کی ہے جن کو اپنی روزی کمانے میں اپنا پسینہ بہانا پڑتا ہے اور جب تک سوسائٹی میں کوئی ایسی اعلیٰ ترمیم نہ ہو جو موجودہ صورت میں حالات کو بالکل بدل دے اُس وقت تک عورتوں کو زندگی کے عملی کاموں میں حصہ لینا پڑیگا۔ ساتھ ہی سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ سوسائٹی کو عورتوں کی گھر کی چار چار دیواری اور ابتدائی مدارس سے باہر ہونے کی مطلق ضرورت نہ ہو۔ ان دونوں دائروں میں عورت کو اپنی قابلیت کے اظہار کا پورا میدان مل سکتا ہے۔ مدرسہ اور مکان میں عورت کا کام مرد سے کہیں برتر ہوگا۔ اور چونکہ آج کل گھر اور مدرسہ کا کام اس قدر بے ڈھنگے طریقے سے ہوتا ہے اس لئے زمانہ حال تہذیب گویا جسمانی کمزوری یا افلاس اور جرائم کا بستر مرگ بنی ہوئی ہے۔

اس بات میں شبہ نہیں کہ جرائم میں کبھی مستقل طور پر کمی نہ ہوگی جب تک زندگی اس صورت سے نہ گذرے گی کہ عورتیں زندگی کی جد وجہد سے علیحدہ کر دی جائیں اور اپنی قوت کو تمام تر بچوں کی تربیت و تعلیم کی طرف مبذول کریں۔ اور اس اہم خدمت کے لئے خود پہلے تعلیم اور معلومات حاصل کرلیں۔

آج کل یورپ کی سوسائٹی فرائض اُناث کے اُس نصب العین سے دور ہوتی جاتی ہے۔ عورت کو محض دماغی اور جسمانی محنتوں کے لئے موزوں سمجھا جا رہا ہے۔ یہ نازک عورت۔ تجارتی اور دوسرے کاموں میں لگائی جاتی ہے بعض لوگ اس کو ترقی کے درجہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہ ملکی ضرورتوں سے جائز ہو سکتا ہے جیسا کہ سب کے نزدیک ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ قوم کے اخلاقی مقاصد سے بہت دور ہے۔

اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں ایسی ذلیل نہ بنیں جیسا کہ جرائم کے نقشوں سے وہ ثابت ہوتی ہیں جو کہ موجودہ مغربی تہذیب میں حصہ لینے کی وجہ سے ہو گئی ہیں۔

اخلاق کا حکم یہ ہے کہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت ایسی ماؤں کے ہاتھ میں رہے جو کہ اس کو قابلیت کے ساتھ انجام دے سکیں۔ ایسی ماؤں کے سایہ میں جنہوں نے اپنے ننگ و ناموس کے شیشہ کو خواہشاتِ نفسانی اور دنیوی حرص و طمع کے پتھر سے چکنا چور کر دیا ہو۔

ایک اور کتاب[۱] میں بچوں کی اموات کے واقعات کو شمار و اعداد سے ثابت کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ ان بچوں کو ظاہر اطوار پر ہلاک نہیں کیا جاتا تاکہ تعزیری جرم نہ ہو لیکن ایسے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں جن سے ہلاکت وقوع میں آتی ہے۔ یہ اموات

---

[۱] الیجیبی میسی مطبوعہ ۱۸۹۲ء

Illegiternacy. By Albert Leffingwell. M. D.

گلا گھوٹنے، زہر دینے، پھانسی دینے، زندہ جلا دینے، جھلسا دینے سے ہوتی ہیں لیکن پھر بھی ان کے ساتھ اُن بچوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ رحم کا برتاؤ کیا جاتا ہے جن کو بتدریج بھوکا مار کر، بیمار ڈال کر اور بے اعتنائیوں سے مارا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دغا، فریب، جعلسازی، شوہروں وغیرہ کو زہر خورانی اور قتل کے خوفناک جرائم کی طولانی فہرست اور بھی ہے۔ جن کی عورتیں مرتکب ہوتی ہیں۔ یہ تمام اندوہناک مثالیں اکثر کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

مذکورہ بالا خرابیوں کا علاج اس مجموعۂ نتائج پر مغربی ممالک کے دور اندیش مصلحین کی جماعت بڑی مستعدی کے ساتھ مصروفِ غور ہے یہ تمام تصنیفات و تالیفات خود گواہ ہیں کہ قوم ملک کو عبرت دلانے اور خطروں سے ہوشیار کرنے کے لئے کیسی محنت و دلسوزی سے کام کیا جا رہا ہے اور آخری علاج جو بعض مصلحین نے تجویز کیا ہے وہ یہی ہے کہ عورت کو تمدنی کشمکش میں پڑنے سے روکا جائے، اس کو گھر کے اندر واپس کیا جائے، غیر مرد اور عورت ایک دوسرے سے الگ رہیں، معاشرت میں تبدیلی ہو اور فرائض مادری کا احساس کرایا جائے صنعتی و حرفتی زندگی کی وجہ سے جو حالت زبون قائم ہو گئی ہے اُس کو دور کیا جائے۔

اور اب تو حکومت کی طرف سے ایسے قوانین[1] بنانے کی تجویز درپیش ہے

---

[1] اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۸۴۔

Islamic Review April 1918. P. 184.

جن کی روسے میل جول محدود ہوجائیگا۔ اس کے علاوہ اور بھی تدابیر زیر غور ہیں۔

لیکن سب سے اہم اور کامل تدبیر وہی ہے جو ہمارے نبی کریم اور شارع علیہ السلام نے وحی کے ذریعہ سے دنیا کو بتلائی ہے اور وہ وہی احکام ہیں جو عورتوں کے پردہ اور آزادانہ میل جول کے انسداد کے متعلق ہیں اور ان سب کا خلاصہ وقرن فی بیوتکن میں ہے۔



دنیائے اسلام میں بے پردگی

یورپ میں عورتوں کے اخلاقی انحطاط کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اُس کے متعلق ممکن ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ یہ وہاں کی ماحول مرز و بوم اور خاص تمدنی حالات و ضروریات زندگی کا نتیجہ ہو گی۔ اور صرف بے پردگی اور آزادی کو اس کا مجرم قرار دینا جائز نہ ہو۔ لیکن یہ خیال درحقیقت صحیح نہیں ہے۔ اسلامی ممالک کا ماحول مرز و بوم اور اُس کا قدیم تمدن اب تک زندہ ہے لیکن باایں ہمہ عورتوں کی اخلاقی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے اور یہ اخلاقی انحطاط اُسی دن سے شروع ہوا ہے جس دن سے عورتوں کو آزادی کی ہوا لگی ہے اور جہاں ابھی تک ایسی آزادی نہیں ہے وہاں نسبتاً ایک قسم کا سکون ہے۔

مصر کی حالت۔ اِس وقت تک اُن ممالک میں جہاں مسلمان زیادہ آباد ہیں جدید تمدن و معاشرت کا اثر مصر پر بہت زیادہ پڑا ہے اور عورتوں نے وہ آزادی و بے پردگی اختیار کرنا شروع کر دی ہے جو مغربی ممالک میں ہے اور جس قدر اس اثر کو ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر وہاں کی تمدنی و معاشرتی حالت اسلامی معیارِ اخلاق سے گر رہی ہے اور اس حالت پر وہاں کے قابل و فاضل اہل قلم اور اہلِ علم مسلمان نالاں ہیں اور اس کو قصرِ قومیت کے ارکان کا تزلزل سمجھتے ہیں۔ ایک

مصری فاضل محمد طلعت حرب نے اسی مبحث پر ایک کتاب تربیت المرأۃ والحجاب[۱] کے نام سے شایع کی ہے اُس میں جابجا یورپ کی حالت کے ساتھ اپنے ملک کی حالت بھی دکھائی ہے اور مسئلہ پردہ پر بھی بحث کی ہے۔ اس میں ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں

اگر یورپ کی عورتوں کی حالت پر غور کروگے تو اس کا سبب زیادہ تر وہاں کی مرز وبوم کا اثر پاؤگے۔ وہاں تحصیل معاش اور روپیہ پیدا کرنے کے لیے عورتوں کو مردوں کا شریک ہونا اور پردہ سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ ان کی عادت ہوگئی کہ وہ آزاد رہیں اور اس کا اثر اُن کو معلوم ہوگیا اب یہ ناممکن ہے کہ وہ پردہ کرنے لگیں اور اپنی عادت سے پھر جائیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان کے نفس خود ان سے بیزار ہوجائیں، مگر اس وقت یہ بہت مشکل ہے۔ اگر ہم اس کا تجربہ کریں گے تو ہماری حالت بالکل اسی کوّے کی طرح ہوگی جو ہنس کی چال چل کر اپنی چال بھول گیا تھا پردہ میں جو کمی شروع ہوگئی ہے اس کا اثر بے حجابی اور ابتذال تک سرایت کرگیا ہے، اگر اہم تدارک اور تلافی نہ کریں گے تو سخت دھوکا کھائیں گے۔

یہ افتخار کہ یورپ میں عورتیں تجارت وصناعت کرتی ہیں اور فلاں فلاں کام انجام دیتی ہیں فی الحقیقت نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں رکھتا، کیونکہ اختلاط جب زیادہ ہوگا ابتذال میں ترقی ہوگی تو مرد نکاح کرنا چھوڑ دیں گے۔

اب اس کمی سے (مصری) عورتوں کو اس قدر حصہ ملا ہے کہ انھوں نے پردہ میں

---

[۱] اقتباس از صفحہ ۹۷ تا ۱۰۸۔

تخفیف کردی ہے وہ بے پردہ بازاروں میں اپنی زینتوں کو دکھاتی پھرتی ہیں جس کو کوئی صاحب ذوقِ سلیم اچھا نہیں سمجھتا، ان تمام باتوں میں صریحاً دین کی مخالفت کی جاتی ہے اور اس کلام پاک کے خلاف عمل کیا جاتا ہے جو غضِ بصر کا حکم دیتا ہے، افسوس ہے کہ ہم سے شریعت معدوم ہوئی جاتی ہے یا قریب ہے کہ ہو جائے اور جتنی فضیلتیں تھیں وہ تو جاتی رہیں، مردوں سے ادب گیا اُن کے ذوق صحیح نہیں رہے ورنہ کیا وجہ تھی کہ مسجدوں کے سامنے راستوں بلکہ گھروں میں عورتوں کی ان خفیف حرکات کو دیکھیں اور خاموش رہیں، ان لوگوں نے غضِ بصر کے حکم ہی سے غضِ بصر کر لیا ہے، یقیناً یہ منجملہ اور نقصانوں کے ایک زبردست اور تکلیف دہ نقصان ہے جو اُس وقت تک باقی رہے گا جب تک آنکھوں اور دلوں پر غفلت کے پردے پڑے رہیں گے۔

پس اے قوم، اگر تجھکو اپنی حفاظت مقصود ہے تو چاہئیے کہ جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُس کی حفاظت کر، عورتوں میں پردہ کے معاملہ میں بہت سستی بڑھتی جاتی ہے اور اس کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ فسق و فجور میں کثرت ہو۔

ہم کو چاہئیے تھا کہ ہم وہ کام کرتے جس کا ہم کو قرآن شریف اور سنتِ کریم نے حکم دیا تھا، ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے تعلیم و تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ مشاہدے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ لوگ بھی اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتے۔ جب ہم ایسے گھروں کو دیکھتے ہیں جن میں پردہ کی ایک معمولی رسم باقی ہے اور موسیقی و پیانو کا شوق بڑھا ہوا ہے تو عجیب عجیب منظر ہمارے سامنے آتے ہیں، ابتذال کی تو یہ

کثرت ہو کہ بقول المقطم[1] عفت ایک حقیر چیز شمار کی جانے لگی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر میں غیر لوگ آتے ہیں، وہ بالکل پرواہ نہیں کرتے بلکہ اُس کو واجبات صحبت سمجھتے ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس قول کو بھول گئے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، دیوث اور وہ عورتیں جو مردوں کی سی صورت بناتی ہیں۔ اور ہمیشہ شراب پینے والا۔

مختصر یہ ہے کہ ہماری جہالت نے ہمارے اخلاق کو خراب کر کے تمام فسادات ہماری لڑکیوں اور بچیوں میں پیدا کر دیئے اور جب تک ہمارا یہ خیال رہے گا، حال بھی یہی رہے گا کہ روزانہ رفع حجاب میں ترقی ہوتی رہے گی، اس لیے کہ زمانہ ترقی پذیر ہے اور اسی ذلت کا نام تمدن اور ترقی رکھا گیا ہے، اگر ہم اس پر توجہ نہ کریں گے تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ بقیہ غیرت بھی جاتی رہے گی، خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم اپنے دین کی طرف مائل ہوں اور سنت نبی کریم کا جو ہم کو صراط مستقیم پر چلائے اتباع کریں۔

سچ تو یہ ہے کہ قابل ملامت بھی ہمیں ہیں کیونکہ جب ہم سے اور اجنبیوں سے میل جول ہوا تھا تو یہ شرط نہیں قرار پائی تھی کہ ہم اپنے اصول دین اور عادتوں کو ترک کر دیں گے اب اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ عورت کو بے پردہ کر دینا تماشا گاہوں اور مجلسوں میں جانے کی اجازت دینا اور خود مردوں کا ابتذال اختیار کر لینا یہ سب ہماری سستی ہے۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ عام طور سے اس مرض کا علاج

---

[1] مصر کا مشہور اخبار۔

اسلامی تربیت سے کیا جائے۔ وہ لوگ اپنی قوم پر ظلم کرتے ہیں جنکی خواہش ہے کہ
پردہ اُٹھ جائے اور مرد اور عورتیں آپس میں ملنے جلنے لگیں۔

ایک اور کتاب المرأۃ[1] کا مصنف عباس حلمی محمد لکھتا ہے۔

عورتیں آج اپنے گھر سے نکلتی ہیں، ننگے سر ہوتی ہیں، چہرہ کھلا ہوتا ہے سینہ گردن پنڈلیاں نظر آتی ہیں اور مختلف طریقوں اور قیمتی لباس وغیرہ سے زینت کئے ہوئے ہوتی ہیں اس سے مردوں کے قلوب کو مائل کر کے اُن کی عقول کو لہو لعب میں ڈال کر مال دولت حاصل کرتی ہیں۔

یا اللہ! اگر آزادی کی یہی حالت رہی اور وہ اپنی خواہشات کی تابع اور غیر مردوں سے ملتی جلتی رہیں اور اپنے طبعی فرائض کو چھوڑ دیا تو ہم کہتے ہیں کہ اُن کی یہ آزادی اُس شقاوتِ اکبر کی تحریر ہوگی جو اُن کے صحیفۂ عفت پر ثبت ہوگی اسی بنا پر ہم اپنے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے زاری کرتے ہیں کہ ہماری قوم کے سردار اسی استبداد پر ثابت رہیں حجاب[2] اُن کے حفاظت کی چادر اُن کے ادب کی بساط، اُن کے عصمت کے محفوظ رکھنے کا قلعہ ہے حجاب وہ ہتھیار ہے جس سے عورتیں اپنی آبرو کی حفاظت کرتی اور اُن مصائب سے بچتی ہیں جو اُن پر آنے والے ہوتے ہیں۔ اسی سے وہ اپنے شرافت وکرامت کی حفاظت کرتی ہیں تاکہ اُن کو کوئی شریر ہاتھ نہ چھو سکے۔ ان سب کے لئے حجاب کافی ہے۔ وہ اچھی طرح ان کی نگہداشت کر سکتا ہے۔

---

[1] اقتباس صفحہ ۶۵ تا ۶۷ [2] المرأۃ صفحہ ۷۲۔

اس کے بعد وہ خواتین کو مخاطب کر کے ایک ہدایت کرتے ہیں۔

اے سیدہ !

تم اپنے شرافت کی حفاظت کرو، اپنی آبرو کو محفوظ رکھو، اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔ اور اگر کوئی ضرورت نہ ہو تو (اے سیدہ) گھر سے باہر نہ نکلو۔ تبرج سے پرہیز کرو (کیونکہ) تم میں ایک ایسی خواہش ملی ہوئی ہے جو عفت کو معصوم نہیں رہنے دیتی (یاد رکھو) انسان کی طبیعت محض حیوانی ہے اور عصمت صرف انبیا کے لئے ہے۔

اے سیدہ! جس وقت تمھارا شوہر گھر میں نہ ہو تو دوسرے مردوں سے ملنے سے بچو کیونکہ یہ بہت بُرا ہے کہ تمھارے کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جس کو تمھارا شوہر نہ جانتا ہو۔ اگر تمھارا نفس یہ کہے کہ تمکو کوئی دیکھتا نہیں تو اے سیدہ یاد رکھو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں ہے وہ تو اچھی طرح دیکھتا ہے تم کوشش کرو (اے سیدہ!) کہ دنیا کے مصائب سے محفوظ رہو اور تمھارا نفس و ایمان نورِ ہدایت کی روشنی سے منور ہو جائے۔

ترکی خواتین | اسلامی ممالک میں مصر کے بعد ٹرکی اور خصوصاً یورپین ٹرکی کا حصہ نئے خیالات اور جدید تمدن و معاشرت سے زیادہ متاثر ہوا ہے اور اس آزادی نے دستوری حکومت کے زمانہ میں قوت پکڑنی شروع کی۔

---

۵۱ المراۃ صفحہ ۷۵، ۷۶

میں نے بھی قسطنطنیہ کے قیام میں اگرچہ وہ بہت ہی مختصر تھا عورتوں میں اس انقلاب آزادی کو محسوس کیا تھا لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد جو اخبارات دیکھے گئے اُن سے معلوم ہوا کہ اس آزادی کی روک تھام شروع ہوگئی۔ چنانچہ آخر ۱۳ یا آغاز ۱۴ میں آستانہ کے حاکم نے حسب ذیل اعلان[۵۵] جاری کیا۔

ہر ملک کے عادات واخلاق خاص ہوتے ہیں جن کا لحاظ وہاں کے تمام باشندوں پر لازم ہے۔ حکومت عثمانیہ ایسے اسباب مہیا کرنا چاہتی ہے جن سے عام آداب تحقیر و اہانت سے محفوظ رہ سکیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عورت و مرد قانونی دائرہ کے اندر پورے طور پر آزاد ہیں۔ لیکن جو شخص کسی عورت پر کسی قسم کی زیادتی یا فقط زبان ہی سے اُس کی توہین کریگا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ اسی طرح جو عورتیں اپنے فیشن اور وضع و اطوار میں حد شرعی سے تجاوز کریں گی ان سے بھی ہرگز چشم پوشی نہیں کی جائیگی۔

کبھی سیر و تماشے کے طور پر عورتیں باہر نکلتی ہیں اور بعض حالتوں میں وہ ایسے مقامات پر ہوتی ہیں جہاں ان پر لوگوں کی نظریں اُٹھتی ہیں اور یہ امر اسلامی خاندانوں کے لیے جو مذہبی آداب واخلاق کا احترام کرتے ہیں سخت گراں اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آستانہ کی عورتیں تمام اطراف واکناف بلادِ عثمانیہ کی عورتوں کے واسطے بہترین وقابل تقلید نمونہ بنیں۔ لہذا حکومتِ عثمانیہ اس قسم کی تمام باتوں کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ ہر عورت و مرد کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو کوئی کسی عورت کی عزت وآبرو کو

---

[۵۵] یہ احکام اخبار الشعب سے ماخوذ ہیں۔

اشارہ کنایہ یا کسی اور طرق سے نقصان پہونچائیگا وہ حکومت کی جانب سے سخت ترین سزا کا مستوجب ہوگا۔ نیز ہر خاندان کے سربرآوردہ اصحاب پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ارکان کو اپنے ملک و مذہب کی عادات و اخلاق کے موافق التزام پردہ پر مجبور کریں۔

اس حالت پر ابھی کوئی مستقل رائے قایم نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس قسم کے تغیرات کا تعلق زمانہ امن و امان کی زندگی سے ہوتا ہے۔ تاہم ان احکام سے اس امر کا ضرور پتہ لگتا ہے کہ عورتوں کے تبرج اور آزادانہ رویہ کو ٹرکی میں بھی مستحسن نہیں سمجھا گیا۔ اور اس کے روکنے کے لیے حکومت کے اقتدار کو کام میں لانا پڑا۔



مشرق اور مغرب کے گھر

بے پردگی اور آزادی کے اِن بدترین نتائج کو پڑھ کر کون شخص اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ عورتوں کو اپنے گھر میں رہ کر اپنے فرائض کو جو اُن کے ذمہ ہیں ادا کرنا چاہیے اس سے اُن کی آبرو بھی محفوظ رہ سکے گی اور اُن کے اخلاق بھی اچھے ہوں گے۔ جس کی حفاظت کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اور جس ضرورت کی وجہ سے حجاب کی ضرورت معلوم ہوئی کیونکہ پردہ نہ صرف عصمت و عفت کا محافظ ہے بلکہ وہ اعلیٰ اخلاق کا ضامن بھی ہے اور خود بے پردہ عورتوں کو جو چشمِ بصیرت رکھتی ہیں اس بات کا اعتراف ہے۔ مشرقی ملکوں میں ہر شخص کو اس امر کا تجربہ ہوگا اور اگر کوئی انصاف اور نیک نیتی سے بغیر کسی تعصب اور اپنے خیال کی پاس داری کے پردہ نشین مستورات اور بے پردہ عورتوں کے اخلاق کا مقابلہ کرے گا تو اسے دونوں کے اخلاق میں صریح فرق محسوس ہوگا۔ خصوصاً یہ فرق خانگی زندگی میں اور بھی نمایاں ہوگا ازدواجی زندگی کا فطری منشاء یہ ہے کہ زن و شوہر آپس میں ایک دوسرے کی حقیقی مسرت اور تسکین کا باعث ہوں لیکن یہ حالت مغرب میں شاذ اور مشرق میں عموماً پائی جاتی ہے۔ اور مشرق کی نیم وحشی بیبیاں مغرب کی متمدن اور تعلیم یافتہ بیبیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ اپنے بچوں اور شوہروں کی غمگسار اور ہمدرد ہوتی ہیں اور خانہ داری کے فرائض کو بہترین اسلوب

انجام دیتی ہیں۔

باوجودیکہ مصر میں اسلامی تہذیب و معاشرت میں بے انتہا تنزل ہوگیا ہے اور اُس تنزل کی رفتار روز بروز بڑھ رہی ہے جس پر وہاں کے دوراندیش اور قابل مسلمانوں کو جس قدر ملال ہے اور وہ اپنے مستقبل سے جس قدر پریشان ہیں اس کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوتا ہے جو اس کتاب میں درج ہیں لیکن چونکہ مصر میں ایک عرصہ سے مسلمانوں کی آبادی بکثرت رہی ہے اور ہنوز اسلامی روایات باقی ہیں اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو احکام مذہب کی اگر پوری طرح نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور پابندی کرتا ہے اس لیے وہاں اب تک کچھ نہ کچھ اسلامی شان کی جھلک باقی ہے اور وہ لوگ جو عمیق نظر سے قوموں کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں اس جھلک کو نہایت مستحسن سمجھتے ہیں۔ ایک مغربی خاتون الزبتھ کوپر جیسا کہ وہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتی ہیں، جنکو بچپن سے مشرقی عورتوں کی حالت دریافت کرنے کا شوق تھا اور اسی غرض سے انھوں نے ان کے متعلق متعدد کتابیں دیکھی تھیں، مگر اندورنی حالت اور زندگی کے متعلق صحیح اور پوری معلومات حاصل نہ ہوئیں، تو ان کو مصر کی سیاحت کا شوق پیدا ہوا اور وہاں کی خانگی زندگی کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کرکے انھوں نے ۱۹۱۴ء میں ایک کتاب ووین آف اجپٹ[۵۱] The Women of Egypt شائع کی جس میں وہ مصری خواتین کے بحث میں لکھتی ہیں۔

مجھ سے بارہا یہ سوال کیا گیا ہے کہ مصری خاتون کس طرح اپنا دل بہلاتی ہے؟ مستعد

[۵۱] صفحہ ۲۲۴ اسی کتاب سے ذیل میں ایک اور بیان قابل نقل ہے جو یقینی مسلمان خواتین کے لیے (بقیہ صفحہ آیندہ)

اور ایک جگہ چین نہ لینے والے مغربی لوگوں کے لیے یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ وہ وقت گذاری کے لیے نئے طریقے تلاش کرنے کے واسطے سخت کوششیں کرتے رہتے ہیں، مشرقی عورت کے لیے وہ تفریح جس کو ہم تفریح سمجھتے ہیں مفقود ہے، اور نہ اس کی اُسے ضرورت ہے، سب سے پہلے وہ گھر کی منتظمہ ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۲) بہت دلچسپ ہوگا، وہ لکھتی ہیں۔

میں نے ایک مصری خاتون سے دریافت کیا کہ مذہب اسلام دوسرے ادیان مثلاً عیسائیت پر کیا برتری رکھتا ہے اس کا جواب جو اس نے لکھ کر دیا تھا میں اسے یہاں نقل کرتی ہوں۔

مصری بہت وجوہ سے اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر ترجیح دیتے ہیں۔

اول، وہ کہتا ہے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی خدا نہیں ہے اور اس سے خدا کی عظمت وقدرت زیادہ ظاہر ہوتی ہے بہ نسبت اس قول کے کہ وہ تین ہیں کا ایک ہے یا ایک تین میں ہے۔

دوم۔ وہ عقل اور منطق کے معیار پر صحیح اُترتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی کسی معجزہ یا خلافِ قدرت ذریعہ سے اشاعت نہیں کی، ان کی قوم اور دوسرے بت پرست عربوں نے ان سے کہا کہ بغیر معجزہ دکھلائے ہم ایمان نہیں لائیں گے، لیکن ان کو فرشتہ کے ذریعہ حکم دیا گیا کہ وہ یہ جواب دیں کہ تمھاری طرح میں بھی ایک بشر ہوں، یہ بات دیگر ادیان کے بالکل خلاف ہے جن کی بنیاد معجزات اور خلافِ قدرت کاموں پر رکھی گئی اور اسی بنا پر وہ ابتدائً مانے گئے۔

سوم۔ وہ ہر مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ غریب کی امداد کرے یہ حکم اسلامی ملکوں میں اشتراکیت (سوشلزم) اور امراکشی (نہلزم) کے سوال کو رد کرتا ہے کیونکہ امرا اپنی دولت میں سے مبتلائے افلاس لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔

اور[۱] بہت سے گھر کے جزوی کاموں کی نگرانی کرتی ہے جو ہمارے یہاں ملازمین پر چھوڑ دئے جاتے ہیں وہ اکثر تمام اشیائے خورد ونوش کو دیکھتی ہے جو گھر میں لائی جاتی ہیں، ترکاریوں کا معائنہ کرتی ہے، جو ہر صبح باورچی لاتا ہے، ذخیرہ کی کنجیاں اپنے پاس رکھتی ہے اور روزانہ خود اپنے گھر والوں کے لیے سامان دیتی ہے، وہ کھانا پکانا جانتی ہے، روزمرہ کا کھانا پکاتے ہیں، یا ملازموں کو بتاتے ہیں کہ کس طرح ایک نئی چیز تیار کی جائے کوئی ذلت نہیں سمجھتی۔

متوسط[۲] طبقہ میں بچوں کے کپڑے ماں تیار کرتی ہے اور امراء میں بھی ماں تمام گھر کے کپڑوں کا اہتمام کرتی ہے یہ واقعہ ہے کہ آج قاہرہ میں سلے سلائے کپڑے نے ٹھو ہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۳) چہارم یہ حکم دیتا ہے کہ ہر وہ مسلمان جو استطاعت رکھتا ہے مکے حج کے لئے جائے تاکہ کل حصص دنیا کے تمام مسلمان آپس میں ملیں اور ان میں اخوت پیدا ہو۔

پنجم یہ بہ نسبت دیگر مذاہب کے اپنے پیرووں کو زیادہ آزادی دیتا ہے یعنی

الف، اس کا حکم ہے کہ ہر عورت کو اپنے روپے کا حسب مرضی انتظام کرنے اور خرچ کرنے میں آزاد ہونا چاہیے اور اس کے شوہر کو ممانعت ہے کہ بلا اس کی اجازت کے اس کے معاملات میں دخل دے

ب، اس نے شادی شدہ مرد اور عورت دونوں کو اگر وہ آپس میں اتحاد کے ساتھ رہنا غیر ممکن سمجھیں، طلاق کا اختیار دیا ہے اور طلاق بغیر عدالت یا فضیحتی کے دی جاتی ہے۔

ششم، اس میں مثل اقبال گناہ (کنفیشن) کے کوئی رسم نہیں ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ سب

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۵ پر)

[۱] صفحہ ۲۲۴ [۲] صفحہ ۲۲۵۔

آگئے ہیں، اور گھر کا درزی عموماً باضابطہ خانگی ملازمین میں سے نہیں ہوتا لیکن اب تک خود بیوی بہت سے کاموں کی نگرانی کرتی ہے جو شاید اُس عورت کے لیے جو دنیا سے علیحدہ بند کر دی گئی ہے ایک ایسی نعمت ہے جو نظر نہیں آتی۔

وہ صحیح معنوں میں ایسے گھر کی عورت ہیں، جس کو وہ اپنی دنیا خیال کرتی ہیں، ہم کو اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ گھر میں بلند مرتبہ ہیں اور جتنا ہم خیال کرتے ہیں وہ اس سے بہت زیادہ با اختیار ہیں اور بہ نسبت ہم مغربی دنیا کی عورتوں کے مردوں پر زبردست اثر رکھتی ہیں۔

اسی مصنفہ نے پھر ۱۹۱۵ء میں ایک کتاب "حرم اور پردہ" کے نام سے شائع کی ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۴) انسان یکساں ہیں اور سوائے خدا کے اور کوئی انسانی گناہ کو نہیں مٹا سکتا۔

ہفتم اس نے رہبانیت کی سختی سے مخالفت کی ہے کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔

ہشتم، اس میں صفائی اور حفظ صحت کے شدید احکام ہیں اور وہ اسے دین کا ایک جز شمار کرتا ہے۔

میرے دوست نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ میں یہ نہیں کہتی کہ سب مسلمان اپنے پیغمبر (علیہ الصلوۃ والسلام) کے ان احکام کی اس سے زیادہ پابندی کرتے ہیں جتنی تمام عیسائی حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی کرتے ہیں لیکن یہ اسلام کے اصول میں داخل ہیں جیسا کہ ہماری مقدس کتاب میں ہے (صفحہ ۳۲۷ تا ۳۲۹)۔

The women of Egypt By Elizbeth Coopar

جو مشرقی ممالک میں اُس کی سیاحت کا ماحصل ہے اس میں اگرچہ مشرقی عورتوں کی جہالت و اوہام پرستی اور دوسرے رسم و رواج کا بھی تذکرہ ہے اور جا بجا تعصب سے بھی کام لیا ہے لیکن اُس کے دیباچہ کا حسب ذیل حصہ مشرقی عورت کی اس عظمت کا اعتراف ہے جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے وہ دیباچہ کی ابتدا اس قول سے کرتی ہے۔

تو (شوہر) جو حکم دیتا ہے میں اُس کو بے دلیل مانتی ہوں، ایسا ہی خدا کا حکم ہے۔

تیرا قانون خدا کا قانون ہو تو میرا ہی اس سے زیادہ نہ جاننا عورت کا فرحت بخش علم

اور اُس کی تعریف ہے۔

مشرق کی عورت کا آج بھی عقیدہ ہے یہ وہی ہے جو صدیوں پہلے تھا یہی آئندہ صدیوں تک قائم رہے گا، ہاں یہ ایک سوال ہے کہ آیا مشرقی عورت معہ اپنی تمام دماغی اور معاشرتی ترقی کے جس کا آغاز ہو گیا ہے، کبھی اپنے آپ کو ان روایتی اور جبلی اثرات سے آزاد کرنے کے قابل ہو گی جو مشرقی انسانیت کا تانا بانا رہے ہیں۔

مشرقی عورت ابتدا ہی سے روایت پرست رہی ہے وہ بہ نسبت مغربی عورت کے موروثی رجحانات میں زیادہ گھری ہوئی ہے، سالہا سال سے اُس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ اپنی معاش اور حفاظت کے لیے شوہر کی محتاج اور حد سے زیادہ بھروسہ کرنے والی ہے۔

اس کا پردہ میں رہنا اس کے لیے غلامی یا قید کے معنی نہیں رکھتا جو مغربی یا اس

۱؎ صفحہ ۹ تا ۱۲

نقطہ سے خیال کرتے ہیں، یہ اُس کے لیے حفاظت اور دلچسپی کی ایک عبا ہے جو اُس کے سردار اور آقا نے اُسے پہنائی ہے، اس نے اس کے نازک بنانے میں اعانت کی ہے اور اسی سبب سے فطرۃً اُس کی ایسی ناقابلیت میں اضافہ ہو گیا ہے کہ جس سے وہ اُس کام کے ناقابل ہو گئی ہے جو کہ مردوں کے کام کی طرح ہو، اور ایک حد تک قابلِ تعریف اور ترقی کرنے والی جاپانی عورت کو مستثنیٰ کر کے مشرقی عورت پر اُس کی معاشی ضروریات کا اثر ہے اور وہ اُسی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، عورت کے ساتھ مشرقی برتاؤ نے جو عام طور پر اُس کو جاہل رکھنے اور یہ خیال کرنے کا رہا ہے کہ اُسکی خوبیاں علاوہ اس کی شوخی دل ربائیوں کے کم ہیں ایسی صفتِ اناث پیدا کر دی ہے جو بجائے خود خاص ہے اسکا نتیجہ ایک ایسی عورت ہے جو بیرونِ خانہ اپنی معاش پیدا کرنیکی طاقت نہیں رکھتی اور بطور ایک قدرتی نتیجے کے اس کے تمام غور اور تخیلات کا رخ معاملاتِ خانگی کی طرف ہو گیا ہے۔

مشرقی عورتوں کی سلطنت ابتدا ہی سے گھر کی سلطنت ہے، اُس میں شہد کی مکھی کی سچی روح ہے وہ خانہ داری کی مجموعی فلاح کو اپنی فلاح سے مقدم رکھتی ہے اس کا بڑا کام ایک بیوی اور ماں ہونا ہے، وہ بالذات اپنی خانہ داری کے فرائض میں مصروف رہتی ہے اور خانگی کام اس کے لیے ذلت کے باعث نہیں ہیں، اس کے بچے اس کے لیے اصلی طور پر شغلِ زندگی ہیں وہ بالذات ان کی خبر گیری کرتی ہے ان کے ہر فعل کی نگراں رہتی ہے اور ان کے نشو و نما کا نہایت غور کے ساتھ خیال رکھتی ہے

مشرق کی اعلیٰ طبقہ کی خاتون بھی خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا اپنی شان کے منافی تصور نہیں کرتی، جسے وہ جانتی ہے کہ گھر کے لوگ رغبت کے ساتھ کھائیں گے، فی الحقیقت مشرق میں کھانا پکانا، ایک فنِ لطیف خیال کیا جاتا ہے اور نفیس کھانوں کی ترکیبیں بطور ورثہ کے بیٹی کو ماں سے مثل خاندانی زیور کے پہونچتی ہیں۔

مشرقی عورت کی عزت اس کی خانہ داری کی عزت سے کی جاتی ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند اور اپنے بیٹوں کے جاہ و ترقی کو ممکن بنائے، وہ اُس روشنی میں چمکتی ہے جو ان کی کامیابیوں سے نکلتی ہے، نہ اس کو سکھلایا گیا ہے اور نہ اُس کو کوئی شوق اس مغربی بلند نظری کا ہوتا ہے، جس سے اُس کی ناموری اور شہرت ہو اُس کو پردہ میں رہنے سے ایک خاص خوشی اور اطمینان ہوتا ہے۔

جس کی مغربی نقطۂ نظر سے کوئی بہ مشکل قدر کر سکتا ہے، یہ امر کہ مشرقی عورت اپنی کامیابی بہ نسبت سوشیل امور کے خانگی امور میں تصور کرتی ہے یہ ہر اس خاتون پر بخوبی واضح ہے جو ان ممالک میں اِن عورتوں کے ساتھ رہی ہو۔

الجیریا سے ٹوکیو تک ایک بڑی تمنا جو ہر ایک مشرقی عورت کے دل میں ہوتی ہے۔ خواہ وہ کہیں کی رہنے والی اور کسی رتبے کی کیوں نہ ہو، یہ ہے کہ، میرے بیٹے ہوں، اولاد نرینہ کی اس خواہش اور عورت کے اس عقیدہ نے کہ یہی ابتدائی اور انتہائی مقصد نسائیت کا ہے مشرق کی تمام عورتوں میں شادی کے رواج کو عام کر دیا ہے شاذ و نادر ہی کوئی عورت بن بیاہی ہوتی ہو ہندوستان میں شادی کی ابتدا بچپن

میں منگنی کی رسم سے ہوتی ہے، ان ممالک میں بھی جہاں تعلیم اور مغربی اثر کی وجہ سے شادی کی عمر بڑھائی جا رہی ہے کسی کو اس احساس میں ذرا بھی کمی نہیں معلوم ہوتی کہ عورت کی دنیا اس کا گھر ہے اور اس کے بچے اس کے سامنے ہوں[۵۱]،

مصر[۵۲] میں ایک کروڑ بیس لاکھ کی آبادی میں ایک کروڑ مسلمان ہیں، اور مشرقی عورت کے متعلق کچھ سمجھنا اور رائے قائم کرنا اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے مذہب سے تھوڑی بہت واقفیت ہو، کیونکہ مسلمان کی عام زندگی میں مذہب کا بڑا جزو ہے۔

ہندوستان، عرب، مصر، ایران اور الجیریا میں مسلمان عورتیں اپنے عربی پیغمبر کے احکام کی تعمیل اپنا فرض سمجھتی ہیں، اور آج بھی ان کی بیرونی اور خانگی زندگی اسی قانون کے ماتحت ہے۔

ایک مصری[۵۳] عورت اسی وقت سے جبکہ اس کی عمر سات یا آٹھ سال کی ہو جاتی ہے کبھی اپنا بے نقاب چہرہ سوائے اپنے باپ، بھائی یا شوہر کے کسی کو نہیں دکھلاتی عربی پیغمبر کی پیرو عورتوں کو کوئی موقع ان چھوٹی چھوٹی طراریوں کا نہیں دیا جاتا جن کو ان کی بہت سی مغربی بہنیں دل سے نہایت عزیز رکھتی ہیں۔

مسلمان[۵۴] عورت کے لیے پردہ کوئی بوجھ نہیں ہے بلکہ وہ اس کو اپنے شوہر کی

---

۵۱ The Harim and the Purdah By Elizabeth Cooper P.P. 9 to 12. 1915.

۵۲ حرم اینڈ پردہ صفحہ ۲۶ ۵۳ صفحہ ۳۱ و ۳۲ ۵۴ صفحہ ۳۲ و ۳۳ ۔

خواہش اور اپنی حفاظت کے لیئے تصور کرتی ہے اور سب سے اول وہ اپنے پردہ توڑنے کی مخالف ہوگی، کیونکہ اس سے ظاہر ہوگا کہ اس کی وقعت اپنے شوہر کی نظروں سے جاتی رہتی ہے۔

عورتیں[۵۱] جیسا کہ لفظ کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے قیدی نہیں ہیں، اور نہ ان کو کھڑکیوں کے پیچھے رہنا یوں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم کو بعض اوقات بعض ناول نویسوں کی تحریروں سے خیال ہوتا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کی ملاقات کو نہایت آزادی سے جاتی ہیں اور ان کی یہ ملاقات اُن چند بے فائدہ معاملات کے متعلق نہیں ہوتی ہے جو عموماً مغربی عورتوں کی گفتگو میں نمایاں ہوتے ہیں، جبکہ وہ ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے سہ پہر کو جاتی ہیں، یہ سرسری ملاقات کے لیے نہیں جاتی ہیں، بلکہ کئی کئی گھنٹوں حتیٰ کہ دنوں کے لیے ملاقات کے واسطے جاتی ہیں۔

مشرقی عورت کو خوشبوئیں پسند ہوتی ہیں اور وہ ان کو بہت زیادہ بہ نسبت ہماری مغربی بہنوں کے خوشگوار تصور کرتی ہے۔

مسز[۵۲] عبدالحمید (بی مشیر) کہتی ہیں کہ۔

یہ رواج کہ بیویوں کو گھر کے اندر رکھا جاتا ہے اس وجہ سے ہے کہ کوئی ان کی بے حرمتی نہ کرے یہ وجہ نہیں ہے جیسا کہ عام خیال ہے کہ ان کو غلام کی طرح بنایا

---

[۵۱] حرم اینڈ پردہ صفحہ ۴۷۔ [۵۲] سیلون کے ایک نومسلم سویلین کی نومسلم بیوی صفحہ ۹۳۹ از ہیوم سائیکلوپیڈیا۔

جاتا ہے، میں خیال کرتی ہوں کہ مسلمان عورت کی اس کی انگلستانی بہن سے بہت زیادہ اچھی حالت ہے، اگر اُس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جایے تو وہ طلاق بھی لے سکتی ہو۔

امریکن سائیکلو پیڈیا[۱] میں ایرانی عورتوں کی زندگی پر جو بحث کی گئی ہے اُس میں بھی باوجود چند اعتراضات کے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ

کثیر التعداد عوام الناس ایک سے زیادہ شادی نہیں کرتے اور عورتوں کی حالت معقول اور آسایش کی ہوتی ہے، اعلیٰ طبقہ کی عورتیں کاہلی، عیش اور ایک ہی قسم کی حالت میں گذارتی ہیں۔ دنیائے عیسائیت کی عام رائے کے برخلاف ان کو بہت آزادی اور شاید زیادہ آزادی یورپ کے اس طبقہ کی عورتوں کے مقابلہ میں ہوتی ہے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں اکثر پڑھنا لکھنا جانتی ہیں اور خاص ایرانی شعراکی نظموں کو بھی پڑھتی ہیں، یہ ایران میں نسوانی زندگی کی نہایت عمدہ صورتیں ہیں۔

ڈاکٹر لیبان مصنف تمدن عرب لکھتا ہے۔

"اہل یورپ میں عموماً مشرقی حرموں کی نسبت بہت غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہ حرم کو ایک مقام عیش و عشرت سمجھتے ہیں جہاں مصیبت زدہ قیدی عورتیں کاہلی کی زندگی بسر کرتی ہیں اور اپنی حالتوں پر روتی ہیں۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ خیال کس قدر خلاف واقعہ ہے جو یورپ کی بیبیاں مشرقی حرموں میں گئی ہیں انھیں ایسی عورتیں دیکھکر نہایت تعجب ہوا ہے جو اپنے شوہروں سے

---

[۱] ہوم سائکلو پیڈیا صفحہ ۹۳۶۔

محبت کرتی ہیں۔ بچوں کی پرورش اور انتظام خانہ داری کی محنت اُٹھاتی ہیں۔ اپنی حالت پر آسودہ اور قانع ہیں اور اُس کو اپنی یورپ کی بہنوں سے بدلنا عار سمجھتی ہیں یہ بیبیاں نہایت ہمدردی کے ساتھ یورپ کی عورتوں پر افسوس کرتی ہیں کہ وہ معاملات کے جھگڑوں اور محنت جسمانی کی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ برخلاف اس کے خود ان مشرق کی بیبیوں کو بجز خانہ داری کے اور کوئی شغل نہیں ہے اور ان کی نظروں میں اور ان کے شوہروں کی نظروں میں بھی یہی شغل عورتوں کیلئے موزوں بھی ہے مشرقی لوگ اہل یورپ کو جو اپنی عورتوں کو تجارت اور حرفت اور معاملات کی شرکت پر مجبور کرتے ہیں۔ اُسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے ہم اس شخص کو دیکھیں جو گھوڑ دوڑ کے گھوڑے کو کسی ہل میں جوت دے۔ یا اس سے چکی چلوائے۔ ان کی نظروں میں عورت کا کام یہی ہے کہ وہ مرد کی زندگی کو پر لطف بنائے اور بچوں کو تعلیم کرے۔ اور وہ ہرگز قبول نہیں کرتے کہ جو عورتیں اور اشتغال میں مصروف کی جائیں وہ اپنے اس فریضہ کو درست طور پر ادا کر سکیں گی۔ انسان کے دل پر ہمیشہ اس قوم کا اثر ہوتا ہے جس کی معاشرت کو اس نے برای العین دیکھا ہے اور بلا شبہہ خود میرے خیالات اسی وجہ سے اس معاملہ میں مشرقیوں سے بالکل متفق ہیں۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں اخبار آبزرور لاہور[۱] میں ایک سلسلہ تعلیم نسواں کے متعلق شائع ہوا تھا اور مضمون نگار نے اس سلسلہ میں خانگی زندگی پر ایک مسلمان اور ایک امریکن کے مضامین

۱۔ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۰۶ء و ۲ جون سنہ ۱۹۰۶ء

کا اقتباس دیا تھا جو اس موقع پر مقابلۃً دلچسپ ہے۔ مسلمان نقطہ نظر سے یوں خاکہ کھینچا گیا ہے۔

وہ اپنے گھر کی مالکہ اور اپنے محدود چار دیواری کے اندر بالکل آزاد۔ لیکن خوش ہوتی ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے روشن فرشتے اس کی ہستی کی خوشیاں ہوتی ہیں وہ ان کی خبر گیری کرتی ہیں۔ ان کو آسمانی خوشی ہوتی ہے وہ اکثر گیت گا گا کر سناتی رہتی ہیں۔ اور ان کی محبت میں اس کا گذرتا ہوا وقت بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی بیٹیاں علی الصباح اُٹھتی ہیں۔ فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد ایک پارہ قران شریف کا تلاوت کرتی ہیں۔

اس کے بعد وہ اپنے گھر کے کاموں میں مصروف ہو کر سلائی وغیرہ کے کام کرتی ہیں، اس کام میں ہندوستانی عورتیں بہت فوقیت رکھتی ہیں جب وہ گھر بار کا کام کر چکتی ہیں تو کسی آنے جانے والی خاتون سے ملاقات کرتی ہیں دن کے آخری اور رات کے ابتدائی حصہ کو وہ اپنے شوہر کی محبت میں گزارتی ہیں۔ جن کو دن بھر کی محنت کے بعد گھر کی یہ راحت بہت خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ مسلمان عورت کے لیے اس کا خاوند سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کی روح اور اُس کی جان اس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ وہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتی ہے۔ کہ اس کا خاوند خوش و خرم رہے وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتی ہے کہ گھر کی بھلائی کا خیال رکھے اپنے شوہر میں اچھی خصلتیں پیدا کرے۔ اور اس طور سے وہ دن کے ڈراما کو اُس کی

طرح طرح کی خوشیوں میں گذار دیتی ہے یہ سچ ہے کہ اس میں تھیٹر کی پارٹیوں کا لطف نہیں ہے۔ لیکن یہی نصب العین زندگی ہے۔ اس کو جو خوشی اپنے خاوند اور بچوں کی محبت میں حاصل ہوتی ہے وہ ایک کافی صلہ ان تمام خدمات کا ہوتا ہے جو کچھ وہ کرتی ہے۔ اور جس کی متوقع ہے۔"

اس کے برخلاف ایک امریکن اہل قلم مغربی عورت کی خانگی وازدواجی زندگی کے متعلق لکھتا ہے۔

"وہ اپنے معاملات میں اس قدر محو ہوتی ہے کہ اپنے شوہر کی دلچسپیوں اور تفکرات کا مطلق خیال نہیں کرتی۔ جبکہ اس کا شوہر تھکا ہوا اور دن بھر کی محنت سے چور ہو کر گھر واپس آتا ہے تو اُس کو اس امر کی توقع رکھنا بے کار ہے۔ کہ وہ کسی قسم کی آسائش کی امید اپنے قدرتی مددگار سے رکھے بلکہ اُس کی خوش قسمتی اسی میں ہوگی کہ اس پر آتے کے ساتھ ہی خفیف خفیف شکایتوں اور گھر کے جھگڑوں کی ایسی بوچھار نہ پڑنے لگے جس کو اُس کی بیوی بلا کسی تامل کے اپنے شوہر کے کان میں ڈالنا شروع کر دیتی ہے جب اس امر کی ضرورت ہوگی کہ گھر کے خرچ میں کمی کی جائے وہ ٹھیک اسی وقت زیادہ روپیہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اُس وقت جب اُس کی توجہ کسی ضروری معاملہ کی طرف متوجہ ہونی چاہیے وہ اپنا وقت خفیف خفیف باتوں کی بحثوں میں صرف کر دیتی ہے اُس کے ہمدردی کی کمی کا اندازہ اُس وقت اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جب اُس کا شوہر بیمار ہوتا ہے اُس وقت اُس کی غیر ہمدرد

بیوی کی صریح خودغرضیاں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے خاوند کی تیمارداری یا اُس کی محبت بالکل بھول جاتی ہے۔ وہ اگر اپنی شکایت کو چھپائے رکھے تو وہ کبھی دریافت نہ کریگی اگر اپنی تکلیف کے متعلق کچھ کہے تو وہ کان نہ دھریگی بلکہ خاموشی کے ساتھ اِس کان سن کر اُس کان اُڑا دیگی نہ وہ کبھی اس کے تکیہ کو ملائم کرنے کی کوشش کریگی۔ اور نہ اُس کے سر کو دبائے گی۔ نہ اُس کے ہاتھ کو چھوئے گی بلکہ اُس کو تنہا چھوڑ دے گی اور وہ صبر کے ساتھ اپنی بیماری کو جس طرح ہو سکے گا برداشت کریگا۔ حقیقت میں اِس وقت وہ اُس وقت سے بھی زیادہ تنہا ہے جب وہ کنوارا تھا کیونکہ وہ اپنی اس بیوی سے اپنے آسائش کی توقع بیفائدہ رکھتا ہے جو اُس کی پروا بھی نہیں کرتی۔ وہ اُس کی خوشامدوں اور منتوں کے خلاف کسی ڈنر یا شام کے وقت پارٹی کو قبول کرلیتی ہے اور وہاں مذاق اور دل لگی کی باتوں میں مصروف رہتی ہے۔

اب ذیل میں دو اور اقتباس قابل مطالعہ ہیں جو مغربی خواتین نے مسلمان گھروں کے متعلق تحریر کیے ہیں۔

لوسی۔ ایم۔ جی۔ گارنٹ خواتین ترک کی نسبت لکھتی ہیں۔[۱]

مثل تمام اہل مشرق کے خانم صبح سویرے اُٹھتی ہے اور قہوہ، سگار پینے اور کپڑے درست کرنے کے بعد خاوند کی خدمت کے لیے تیار ہو جاتی ہے اس کے

[۱] از ترجمہ ویمین آف ٹرکی مطبوعہ خادم التعلیم پریس لاہور۔

سلیپر چٹائی کے پاس رکھتی اور اُسے پہننے کے واسطے کوٹ دیتی ہے اور جب
وہ آرام سے مسند پر بیٹھ جاتا ہے تو ابریق سے ایک پیالی میں قہوہ انڈیل کر
اور ایک ظرف و طشتری پر رکھ کر اُسے دیتی ہے۔ بعدہٗ جبوک (حقہ) تیار کرکے
اُس کے پاس لاتی ہے۔ اس اثنا میں کنیزیں بستروں کو تہ کرتیں اور الماری
میں لیجاکر رکھتی ہیں پھر چھوٹے چھوٹے بچے اُسی رات کے لباس میں باپ کا
ہاتھ چومنے آتے ہیں اور والدین ان کو پیار کرتے ہیں وہ نہار منھ کچھ کھانے
کے لیے غل مچاتے ہیں۔ ماں ان کو کچھ پیسے دیتی ہے جس سے وہ سودا لیکر
کھاتے ہیں اور اس کے بعد اُن کو لباس وغیرہ سے آراستہ کرکے لالہ (خادم)
کے ساتھ مکتب بھیجدیا جاتا ہے چھوٹے بچے دادی دادا کیساتھ سارے گھر میں گھومتے
رہتے ہیں۔ آفندی جب گھر سے چلا جاتا ہے تو خانم اول حبشی النسل ماما کے
ساتھ بازار سے جو کچھ سودا سلف (ایوا) (خادم) نے جو کہ عموماً ارمنی ہوتا ہے
لاکر دیا ہے معائنہ کرتی ہے اگر اچار وغیرہ بنانے کا کام باورچی خانہ میں
درپیش ہے تو خانم بھی ضرور اس میں مدد دیتی ہے کپڑوں کے دھونے اور
استری کرنے میں بھی وہ اور اُس کی لڑکیاں معقول حصہ لیتی ہیں۔[1]

یورپ کی ایک اور خاتون[2] لکھتی ہیں کہ

---

[1] ماخوذ از ایڈوکیٹ آف انڈیا بمبئی Advocate of India, Bombay ۱۹۱۶ء

[2] ظل السلطان جنوری ۱۹۱۶ء جلد ۳ نمبر ۸۔

میں آپ سے بیان کرتی ہوں کہ ایک مشرقی حرم میں زندگی کسی طور پر بھی اس مشہور خیال کے موافق نہیں ہے جو اس کے متعلق عموماً ظاہر کیا جاتا ہے وہ زندگی اس زندگی سے بالکل مختلف ہے جس کا خاکہ ان ناولوں میں کھینچا گیا ہے جو ہم پڑھتے ہیں یا جس کا اظہار تھیٹر کے اسٹیج پر کیا جاتا ہے وہ زندگی ان سب سے بہت دور اور علیحدہ ہے حرم وہ مقام ہے جہاں پر ایک انسان کو بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جن سے ہم عورتوں کو بہت زیادہ نفع پہونچیگا۔ اگر ہم ان کو دل میں رکھیں اور ان پر عمل کریں جو صورتیں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہشاش بشاش اور نہایت ہی مطمئن اور قناعت کی حالت میں۔ میں نے کبھی اپنی زندگی میں اگر کہیں دیکھی ہیں تو وہ حرم کی صورتیں ہیں

انسائکلو پیڈیا برٹانیکا[1] کا ایک مضمون نگار جو عام یورپین مصنفین کی طرح پردہ کا سخت مخالف ہے۔ ایک مخالفانہ بحث کے بعد بالآخر اس امر پر مجبور ہوا کہ وہ پردہ نشین مسلمان عورتوں کی خانگی زندگی کی برتری کو تسلیم کرے وہ لکھتا ہے کہ۔

اس میں شک نہیں کہ ان کے اس مقید رہنے کا بہت کچھ معاوضہ مل جاتا ہے اور قانوناً ان کے حقوق اور تعلقات بمقابلہ عیسائی عورتوں کے جو اپنے خاوند کی محبت میں کسی کو شریک نہیں رکھتیں اور جن کے یہاں مذہباً کثرتِ ازدواج ناجائز ہے۔ بدرجہا احسن اور بہتر ہوتے ہیں جب سے کہ کوئی عورت خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی کسی شخص کی زوجیت میں شامل ہو جاتی ہے اُس وقت سے شوہر اُس کا اور اُس کے بچوں کا

---

[1] ماخوذ از مضمون پردہ۔ جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۹۔

پورے طور پر کفیل قرار دے دیا جاتا ہے اور وہ اپنے شوہر کی ملکیت روپیہ پیسہ اور غلاموں، ملازموں پر پورے مالکانہ حقوق رکھتی ہے۔ حالانکہ مذہب اسلام میں طلاق دینے میں اس قدر سخت پابندیاں نہیں ہیں جیسی عیسوی مذہب میں لیکن طلاق کے بعد بھی عورت کے نان نفقہ کا ایک حد تک بندوبست کر دیا جاتا ہے۔[۱]

ایک لیڈی[۲] مشرقی مستورات پر ایک مضمون میں لکھتی ہیں۔

"کسی شادی والے مکان میں داخل ہو یا کسی خوشی کے موقع پر ایسے مکان میں جہاں مستورات جمع ہوں جاؤ تو تمھیں وہ منظر نہایت دلکش معلوم ہوگا اور یہ خوبی شہر دبد اخلاقی کے خوفناک اثر سے ابھی تک پاک ہے، دنیا کے ان (مشرقی) حصوں میں کسی نوجوان لڑکی کا خراب و بدچلن ہونا معدوم ہے۔ مشرقی خاندانوں میں احساس شائستگی اعلیٰ ترین طور پر حکمراں پایا جاتا ہے۔ وہاں انسانوں میں کچھ ایسا حجاب ولحاظ ہوتا ہے جو کہ کل اقوام یورپ کو نہیں ہیں مردوں اور عورتوں کے باہمی ناز و نیاز عشوہ گری، عشق بازی وغیرہ کے مضامین وہاں معرض گفتگو میں نہیں آتے۔ دعوتوں اور جلسوں میں مرد عورتوں سے علیحدہ رہتے ہیں حتیٰ کہ خانہ خدا میں بھی اس قسم کی پابندی لازم ہے۔

Lady's Realm, London. Oct. 1903. [۱]

[۲] ترکوں کی معاشرت بحوالہ لیڈیز ریلم لندن اکتوبر ۱۹۰۳ء۔

مخالفینِ پردہ کے دلائل اور اُن کی تردید

بے پردگی کے نقصانات اور پردہ کے فوائد کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اُس سے کوئی صاحب بصیرت شخص انکار نہیں کرسکتا لیکن جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ پردے کو متعدد خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اس لیے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان کا خیال صحیح ہے یا نہیں؟

پردے کا تعلق فارغ البالی سے پردہ شکن لوگوں کا خیال ہے کہ بے پردہ عورتوں کی زندگی بمقابلہ پردہ نشینوں کے فارغ البالی سے گذرتی ہے اور وہ اپنی روزی کمانے کی خود صلاحیت و قابلیت پیدا کرلیتی ہیں اور پردہ نشین عورتیں دوسروں کی محتاج رہتی ہیں لیکن درحقیقت واقعات اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔

مسٹر جان پارکنسن[1] اخبار کریسنٹ لورپول[2] میں لکھتے ہیں کہ

"ہمارے شہر کے خراب حصہ میں ہزاروں عورتیں بھوک سے مرتی ہیں زرد رو عورتیں اور کمزور لڑکیاں چند پیسے روز پر صبح سے شام تک کام کرتی ہیں اور شب کے

---

[1] Mr John Parkinson Cresent Liverpool.

[2] اخبار محمدن مدراس، ۲۰ جنوری ۱۹۰۲ء۔

وقت اس غرض سے اپنی عزت فروخت کرنے کے لیے نکلتی ہیں کہ بسر اوقات کے لیے کافی کمائی کریں۔"

صاحب اُمّ الدنیا[1] لکھتے ہیں۔

"سو مغربی عورتوں میں (یعنی وہ جو پردہ نہیں کرتی ہیں) ۵ا عورتیں پیشہ ور ہیں وہ اپنی معاش حاصل کرنے کو کوئی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور ان سو عورتوں میں سے جنہوں نے پردہ کو ترک نہیں کیا ہے۔ فی صدی نصف عورت ہے جو کوئی پیشہ کرتی ہے اور یہ ایک ظاہر دلیل ہے اس بات کی کہ ان شہروں میں جو پردے کے رواج سے خالی ہیں تنگدستی اور مفلسی بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے یہاں تک کہ عورت خود اپنی ذات کے لیے معاش حاصل کرنے پر مجبور اور کوشاں ہوتی ہے اس میں اُس کا کچھ قصور نہیں بلکہ تمام قصور ہے اُن مردوں کا جو عورت کے لیے اس مصیبت اور بدبختی کا سبب ہوئے ہیں۔ بلکہ اس پستی کا۔

برخلاف اس کے جہاں پردہ ہے وہاں یہ حالت ہے کہ عموماً مرد کی تمام کمائی کا مصرف اُس کا گھر اور خاندان ہوتا ہے اس حالت کے متعلق موسیو سے وڑانی[2] قاہرہ کے مدرسۃ الالسنہ کے مدیر لکھتے ہیں۔

مسلمان عورتیں حرم کی تنہا زندگی کو ہرگز مصیبت نہیں خیال کرتیں چونکہ وہ اسی حصار کے اندر پیدا ہوئی ہیں اور تربیت پائی ہے ان کے خیال میں نہیں آتا کہ

---

[1] تفسیر [illegible]

عورتوں کے لیے کوئی دوسرا یا اس سے بہتر طریقہ زندگی بھی ہو سکتا ہے۔

یورپ کی عورتوں کی آزادی کو وہ مذموم سمجھتی ہیں۔ حرم ہی ان کے بچپن کے کھیلوں، اُن کی ابتدائی خوشیوں اور رنجوں کا میدان ہے۔ کہتے ہیں کہ عادت فطرتِ ثانیہ ہے اور حرم مشرقی عورتوں کے لیے فطرتِ ثانیہ ہو گیا ہے۔ اس محدود دائرے میں حرکت کرنے کی وہ اس قدر عادی ہو گئی ہیں کہ خواب و خیال میں بھی اس سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ نہیں کرتیں۔ جب شادی کا زمانہ آجاتا ہے تو وہ اپنی ماں کے حرم سے نکل کر شوہر کے حرم میں چلی جاتی ہیں۔ ان کے اشغال بالکل نئے ہیں اور نہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم نے اُن کی ہوا و ہوس کو اس درجہ مشتعل کیا ہے کہ وہ اپنی موجودہ زندگی کی راحت سے تنگ آکر دوسری حالت کی خواہش کریں۔ اُن کے شوہر جو کچھ تکلف اُن کے لیے کرتے ہیں وہ اُنھیں بہت جلد آسودہ اور قانع کر دیتا ہے کیونکہ مسلمانوں میں جس قدر چیزیں عمدہ ہیں وہ حرم کے لیے ہیں اور ہر ایک مسلمان اپنی بیبیوں کے گھر کی ساری آرائش اور نزاکتوں کو ختم کر دیتا ہے اور بمقابل اس کے وہ خود بہت ہی سادگی پر قناعت کرتا ہے۔

یورپ میں عورتوں کا بیشتر حصہ چونکہ خود اپنی روزی کمانے کے لیے مجبور ہے اس لیے نوجوان لڑکیاں کارخانوں اور دکانوں وغیرہ میں کام کرتی ہیں اور اُس کی اُجرت و تنخواہ سے وہ اپنے اسبابِ معیشت فراہم کرتی ہیں ان کے اس طرح کام

کرنے سے ہمیشہ خوفناک نتائج کا سامنا رہتا ہے ان نتائج کا خیال کر کے انگلستان کی مشہور انشاپرداز خاتون اینی روڈ[۵۱] نے ۱۰ مئی ۱۹۰۱ء کے رسالہ ایسٹرن میل سے رسالہ شجرۃ الدر میں جو پچھلی جلد کے چھٹے نمبر میں شایع ہوا تھا ایک مضمون نقل کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جب ہماری لڑکیاں گھروں میں ملازمہ یا ملازمہ کی طرح کام کرتی رہتی ہیں تو اچھی رہتی ہیں اُن کے کارخانہ جات وغیرہ میں کام کرنے سے مجھے خوف ہے کہ وہ کسی بلا میں نہ گرفتار ہو جائیں جہاں وہ ناپاک رنگ سے رنگین ہوں۔ اور ان کی زندگی ہمیشہ کے لیے بے رونق ہو جائے کاش ہمارے شہر مسلمانوں کے شہروں کی طرح ہوتے جہاں لونڈیوں اور غلاموں میں بھی عصمت و عفت اور طہارت ہے اور وہ دونوں بھی آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور گھروں کے مالک کی اولاد کی طرح پرورش پاتے ہیں۔ اُن کی آبرو سے کوئی بُرائی مس نہیں کرتی۔

ڈاکٹر[۵۲] ایون بلاک نے اپنی تصنیف ہمارے زمانہ کی نفسانی زندگی میں اس حالت کے متعلق ایک مفصل باب قایم کیا ہے جس میں اعداد و شمار اور واقعات جو اندوہناک

---

۵۱ ماخوذ از امر الدنیا صفحہ ۸۲ مولفہ علی احمد شہیدی۔

۵۲ دی سیکسوئیل لائف آف اور ٹائم مصنفہ ڈاکٹر ایون بلاک۔ باب سیزدہم صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ ۱۹۱۴ء

The Sexual Life of our Time-

By Dr Ivan Bloch (1914)

مرقع دکھایا ہے اُس کا حسب ذیل خلاصہ ہے۔

ایک طرف تو ملازم پیشہ عورتوں کو دن بھر کی محنتِ شاقہ کے بعد صرف اس قدر اُجرت ملتی ہے کہ بدقت تمام گذر اوقات ہو دوسری طرف اُن کے لیے ترغیب و تحریص کے ایسے مواقع موجود ہوتے ہیں جن کی بدولت وہ مشکل سے اپنے دامن کو پاک رکھ سکتی ہیں۔

ریویو آف ریویوز نمبر ۳۰۲ صفحہ ۱۵۳ Review of Reviews

No 302 P. 153

فروری ۱۹۱۵ء میں ایک ڈاکٹر کے مضمون کا خلاصہ شائع ہوا ہے جس نے نیویارک کی مزدور پیشہ آبادی کے متعلق اپنے طویل تجربات کے نتائج کو یوں دکھلایا ہے۔

نوعمر لڑکیاں جن کو بیوی اور ماں بننا چاہیئے اپنی زندگی کے بہترین حصہ کو کارخانوں کی مزدوری اور تجارتی خدمات میں گذار دیتی ہیں۔ اور اپنے ملک کی سچی خدمت جو عورتوں پر فرض ہے نہیں کرتیں۔ اگر اُن کے اولاد ہوتی ہے تو خلافِ قدرت سوشل اور مالی حالت میں ہوتی ہے یہ ماں کون ہوتی ہے ایک چالیس برس کی بڈھی عورت جو نہ تو تعلیمی لحاظ اور نہ جسمانی حیثیت سے ماں بننے کے قابل ہوتی ہے بلکہ تجارت سے علیحدہ کر کے اُس کو بقیہ حصۂ زندگی اس تلخی سے گزارنے کیلیے ڈالدیا جاتا ہے اور یہ انسان کی شرمناک کوتاہ نظری، تباہی ناقابل معافی شکر گزاری اور خود غرضی کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔

بچوں کی کثیر التعداد اموات کے انسداد میں کوئی تجویز اس قدر کامیاب نہیں ہو سکتی جس قدر یہ کوشش کہ عورتوں کو مالی حالت میں بے فکر بنا دیا جائے

پردہ کا تعلق صحت سے

جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ سے عورتوں کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور ایک محدود دائرہ کی ہوا ان کو کمزور کر دیتی ہے لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس زمانہ سے لیکر جب سے کہ پردہ کا رواج ہے اب تک یہ ضعف نسلاً بعد نسلٍ ترقی کرتا ہوا یہاں تک پہونچتا کہ عورتوں کا وجود بالکل نیست و نابود ہو جاتا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایسی ضعیف تو ضرور ہی ہو جاتیں کہ چارپائی سے اُٹھنا دشوار ہوتا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی صحت مردوں سے کچھ زیادہ خراب نہیں ہوتی بلکہ اس کے برخلاف یہ پردہ کا ہی نتیجہ ہے کہ وبائی امراض جو اکثر متعدی ہوا کرتے ہیں زیادہ تر مردوں کو ہوتے ہیں اور عورتیں بہ نسبت مردوں کے بہت کم ایسے امراض میں مبتلا ہوتی ہیں جیسا کہ ایک ہندوستانی ڈاکٹر بالو نویلیں چندر چکرورتی نے اپنی کتاب پراکٹس آف میڈیسن[1] میں لکھا ہے کہ

"چونکہ عورتوں کا مزاج نازک ہوتا ہے اور اُن کے عضلات نرم اور قوت حس میں تیز تر ہوتی ہے اس سے ان کی طبیعت عصبی کمزوری کی بیماریوں کی طرف راغب ہوتی ہے عورتیں گھر میں بیٹھی رہنے سے گھر کا انتظام کرتی رہتی ہیں اور بہ نسبت مردوں کے خوف کے سبب سے متعدی امراض کی چھوت نہیں لگتی

[1] Practice of Medicine

بدیں لحاظ مردوں کی نسبت وبائی امراض میں کم مبتلا ہوتی ہیں۔ عورتوں میں اکثر کمزوری کے سبب سے امراض لاحق ہوتے ہیں۔ اور اُن کی بیماری بہ نسبت مردوں کے کم مہلک ہوتی ہے۔ چنانچہ ازروئے مردم شماری دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔"

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں کی ظلم و تعدی کی وجہ سے کمزور ہوگئی ہیں ورنہ خلقتاً وہ کمزور نہیں ہیں۔ لیکن اس کا جواب یہی ہے کہ عورتوں کی یہ کمزوری ان ممالک میں بھی موجود ہے جہاں پردہ نہیں ہوتا۔ اور وہاں کی عورتیں بھی مردوں سے اسی نسبت سے کمزور ہیں۔ جس طرح ان ممالک میں جہاں پردہ ہوتا ہے۔ یہ فرق جس طرح متمدن اقوام میں پایا جاتا ہے اُسی طرح وحشیوں میں بھی ہے۔

پروفیسر وفارنیی[۱] لکھتے ہیں۔

"جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قوے کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے اُسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔"

اس سے کافی اندازہ ہوسکتا ہے کہ وحشی اقوام میں تو پردہ کی قید و بند نہیں ہے۔ نہ وہاں کی عورتیں مردوں کے جبر سے اس طرح مجبور ہیں پھر وہ مردوں سے کیوں کمزور ہیں۔

---

[۱] ماخوذ از المرأۃ المسلمہ صفحہ ۲۷۔

انسان کے علاوہ حیوانات ونباتات بھی اس فرق سے خالی نہیں ایسی حالت میں عورتوں کے خلقتاً کمزور ہونے کو نہ ماننا بھی ایک عجیب بات ہے۔ حالانکہ اُس کے دل ودماغ جگر مردوں کی نسبت ضعیف ہیں۔ اور اس کے لیے مشاہدہ بالکل کافی ہے علاوہ اس کے وہ کتابیں جو محققین علم تشریح نے لکھی ہیں۔ بین ثبوت ہیں۔ اس قدر بیان سے میری غرض یہ ہے کہ پردہ نہ تو اُن کی صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اور نہ اس سے وہ ضعیف ہوتی ہیں اور اگر یہی مان لیا جاوے کہ اُن کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا سبب پردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی جسمانی ورزش نہیں کرتیں۔ اس سے دبلی پتلی اور کمزور ہو جاتی ہیں چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ جو عورتیں خانہ داری کا انتظام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہیں وہ ان عورتوں سے جن کا کام صرف پلنگ پر بیٹھا رہنا ہے صحیح اور تندرست ہوتی ہیں پریکٹس آف مڈ وائفری میں ہے۔[1]

چونکہ بچوں کے مضبوط ہونے کے لیے اُن کی ماں کا قوی ہونا ضروری ہے اس لیے چوبیس گھنٹے کے اندر پانچ چھ گھنٹے بھی مستورات گھر کا ایسا کام کاج کریں جس میں حرکت ہو تو ممکن ہے کہ سینہ چوڑا ہڈیاں مضبوط اور قوی ہو جائیں اور بچے بھی قوی پیدا ہوں اور جب مستورات اپنے ہاتھ سے کھانا پکائینگی تو یہ ایک طرح کی ورزش ہوگی۔

[1] صفحہ ۲۲۲ حصہ اول۔

ڈاکٹر کیلوگ لکھتے ہیں۔

زیادہ تر اشخاص کے لیے صحت کے لحاظ سے کسی قسم کی دوسری ورزش اس قدر مفید نہیں ہے جتنی کہ کوئی جسمانی محنت مستورات کے واسطے عام خانہ داری کا کام نہایت عمدہ طور پر اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ جسم کے مختلف رگ وپے اپنا اپنا کام کریں ساتھ ہی اس ذریعہ سے اتنے مختلف اقسام کی ورزش ہو جاتی ہے اور متواتر تبدیل تغیر پیش ہوتا رہتا ہے کہ کوئی حصہ جسم بہت زیادہ نہیں تھک سکتا ہزاروں ایسی نوجوان مستورات ہیں جو اپنے خاندانی معالج کے زیر علاج گھل رہی ہیں۔ باوجودیکہ وہ اپنے عالمانہ اور پیچیدہ نسخوں سے حتی الامکان اُن کی امداد کرتا ہے۔ جن کے لیے تبدیل آب وہوا یا کسی دوسرے ملک میں ایک سال رہنا یا کوئی اس قسم کی اور گران تجویز کی جاتی ہے حالانکہ اگر دنیا میں کوئی چیز ان نازک عورتوں کو اچھا کر سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ چند ہفتے یا مہینے کے لیے گھر کا کاروبار کریں۔ انہیں چاہیے کچھ دنوں کے لیے پیانو یا ستار بجانا چھوڑ دیں۔ اور کھانا پکانا، کپڑے دھونا، ان کی مرمت کرنا چیزوں کو مل کر اور رگڑ کر صاف کرنا، مکان کو صاف اور ستھرا رکھنا اور اسی قسم کی ہزاروں چھوٹی چھوٹی اور خانگی باتیں کرنا سیکھیں، جن کی وجہ سے ان کی مائیں اور نانیاں، دادیاں ان سے بیشتر صحتور اور قوی ہوتی تھیں ہم نے ایک مرتبہ ایک کم عمر عورت کا علاج اسی طریقہ سے کیا۔ اسے ایک معمر ڈاکٹر نے

---

۵۱ ماخوذ از ترکوں کی معاشرت صفحہ ۵۰۔

دق کا علاج کرتے کرتے جواب دے دیا تھا اور اس کے اعزہ افسوس کے ساتھ اس کا رفتہ رفتہ گھلنا دیکھ رہے تھے لیکن ہمارے علاج سے چند ہفتہ میں مس صاحبہ اچھی ہوگئیں اور اس وقت تک بہ صحت ہیں۔ لیکن چونکہ کام کرنے کا علاج ہم نے بتایا تھا اس وجہ سے وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے نفرت کرنے لگی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی ڈاکٹر یا اور کوئی شخص اس قسم کے مریض کے لیے اس طرح کا علاج اختیار کرے گا تو اسے بھی اسی وضع کا صلہ ملیگا۔ دنیا میں کوئی ورزش گاہ ایسی نہیں ہے جہاں کی ورزش سے بہ نسبت باورچی خانہ اور کپڑے دھونے کی جگہ وغیرہ کے بہتر نتائج ظہور پذیر ہوں یہ سب مقام قدرت کی ورزش گاہ ہیں ان میں کسی خاص سامان و اسباب کی ضرورت نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ استعمال کے لیے تیار رہتے ہیں۔

پردہ اور تعلیم۔ اکثر روشن خیال اصحاب کہتے ہیں کہ پردہ میں ہماری لڑکیاں اعلیٰ تعلیم نہیں حاصل کرسکتیں اور اس طرح پردہ تعلیم کا حارج ہے۔ اسی خیال کا اثر حکام و منتظمان سررشتہ تعلیم پر بھی ہوا ہے اور گویا پردہ کو ایک تسلیم شدہ وجہ مانع تعلیم قرار دے دیا گیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے پردہ میں تعلیم ممکن ہے اور حال کی چند مثالیں جو قابل تعریف مسلمان لڑکیوں نے یونیورسٹی کے امتحانات میں شریک ہو کر قائم کی ہیں۔ وہ صاف طور پر اس خیال کا بطلان کر رہی ہیں البتہ اس خیال اور اس رائے میں اس وقت استحکام ہو جاتا جبکہ پردہ کے ساتھ تعلیم کا پورا انتظام کیا جاتا اور یہ انتظام ناکامیاب ہوتا۔

جب تک کہ اس انتظام کو مکمل کر کے تجربہ نہ کیا جائے پردہ موردِ الزام نہیں ہو سکتا۔

مسلمان لڑکیوں سے یہ توقع کہ وہ آزادانہ طور پر یا برقع و نقاب میں بھی لڑکوں کے ساتھ مدارس اور کالجوں میں تعلیم کی مختلف شاخوں میں شامل ہوں۔ اُن کے احساس و اخلاق اور مذہب کی موت کے مرادف ہے۔

یورپ میں اگرچہ خاص خاص پیشوں اور تعلیم کے لیے عورتوں کے مخصوص مدارس ہیں۔ لیکن عموماً ان کو مردانہ مدرسوں میں تعلیم دی جاتی ہے اور چونکہ آزادانہ میل جول کے لیے مدرسہ اور سوسائٹی دونوں کی اجازت ہے اس لیے تعلیم اپنا منشاء اعلیٰ پورا نہیں کرتی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس وقت مغرب میں تعلیم نسواں کس درجہ پر ہے لیکن تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے بالکل ہی ناکام رہی ہے اور جس قدر اسباب ناکامی پر غور کیا جائے گا تو علاوہ نقص تعلیم کے یہ آزادی بھی ایک بڑا سبب ہوگا۔ اور آزادی کے ساتھ تعلیم کوئی عمدہ اثر پیدا نہیں کر سکتی۔

ایک مصنف[۵۱] نے واقعات اور اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ

> جن[۵۲] اضلاع اور ممالک میں ابتدائی تعلیم کا اعلیٰ معیار ہے ان میں اپنے جاہل ہمسایوں کے مقابلہ میں کوئی اعلیٰ معیار نہیں پایا جاتا۔

اس کے علاوہ عورت اپنے فرائض حقیقی اور مقصد فطری سے بہت دور چلی جا رہی ہے

---

[۵۱] *Illegetimacy by Albert Leffingwell M.D. 1892.*

[۵۲] صفحہ ۳۷۔

جنوری سنہ ۱۹۱۵ء[۱] کے نمبر میں ریویو آف ریویوز ایک رسالہ سے نقل کر کے لکھت ہے کہ۔

ہم اپنی پوری طاقت اور اثر سے تعلیم کی ترقی میں کوشاں ہیں اور اس ترقی تعلیم کا اثر یہ ہے کہ عورت شادی اور پرورش اولاد سے منحرف ہوتی جاتی ہے انگلینڈ اور ویلز کے جنرل رجسٹر کے اعداد قابل لحاظ ہیں۔

وہ شہر جہاں لڑکیوں کو عموماً اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے دو لاکھ ۳۵ ہزار ۷ سو ستر کل آبادی اور ۳۷۶۲ تعداد پیدائش سنہ ۱۹۱۰ء۔

وہ شہر جہاں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کمیاب ہے دو لاکھ ۳۳ ہزار دو سو نوے کل آبادی اور ۷۱۰۸ تعداد پیدائش سنہ ۱۹۱۰ء۔

علم النفس کے جاننے والے کہتے ہیں کہ عورتوں کو ایک خاص حد سے زیادہ تعلیم دینا اُن کی صنفی خصوصیات کو ضائع کر دیتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو تعلیم نسواں کے مسئلے کے ساتھ اعداد مردم شماری پر بھی نظر ڈالنی چاہیے۔ وہ لوگ (جنکی تعداد بہت نہیں) جو اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اوپر کے اعداد ملاحظہ کریں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ خیال صحیح ہے کہ عورتوں میں شادی اور پرورش اولاد کے پھیلتے ہوئے انحراف کا سبب تعلیم ہے۔ تو چونکہ تعلیم دن بدن ترقی پر ہے اس لیے اس کا یہ اثر صرف مزدور پیشہ جماعت یا اوسط

[۱] صفحہ ۵۹۔ Review of Reviews.

درجہ کے لوگوں میں ہی نہیں بلکہ اعلیٰ طبقہ میں بھی پایا جاتا ہے، اس کے لیے ذیل کے اعداد ملاحظہ فرمائیے۔

سنہ ۱۹۰۴ء جملہ آبادی دو لاکھ پانچہزار دو سو سینتالیس پیدائش چار ہزار دو سو اٹھارہ۔

سنہ ۱۹۱۰ء جملہ آبادی دو لاکھ بیس ہزار ے سو پچانوے پیدائش تین ہزار چھ سو ایک۔

امریکہ کا ایک مصنف[۵] اسی ناقص تعلیم کو جو ان ملکوں میں ہے شادیوں کی ناکامیوں کا سبب قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ۔

اب عورتوں کو مدرسوں یا کالجوں میں مرد کے برابر دماغی اور جسمانی تعلیم دی جاتی ہے بیس برس کی عمر میں وہ رک جاتی ہے اور مایوسیوں سے بھری ہوئی دنیا کے سامنے آتی ہے۔ اس کے کوئی اہم فرائض نہیں ہوتے کوئی دشوار کام کرنے کو نہیں ہوتے اور اس کی ترقی یافتہ قوتوں کے صرف کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہی باتیں اس کو قعر مصیبت میں ڈھکیل دیتی ہیں، کسی کے یہ الفاظ دیکھنے چاہئیں۔ الارم والی گھڑی کی طرح عورتیں کچھ دیر بجکر

---

[۵] کتاب وہائی امریکن میریجیز فیل صفحہ ۱۷ و ۱۸۔

Why American Marriages fail.

امریکہ کی شادیاں کیوں ناکامیاب ہوئیں۔

رُک جاتی ہیں۔

اور پھر یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ذات نسوانی بیوی کے درجہ میں داخل ہوتی ہے جس کے متعلق وہ ہمیشہ تاریکی میں رہتی ہے۔ چونکہ اس کو بتلایا نہیں گیا وہ شروع ہی سے نہیں سمجھی کہ اب اس کی زندگی نذر بار محبت یا خوابِ راحت اور آرام و آسائش کی زندگی نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کے ناگوار اور دشوار حصہ میں داخل ہوگئی ہے اور اُس کے خاوند یا اولاد سے اُس کو اپنی محبت کا بدلہ کبھی تھوڑا ملیگا اور کبھی بالکل نہیں ملیگا جس طرح اس کو جغرافیہ پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتلانا چاہیے کہ مردمیں اور ہر مرد میں جذبات کی چھوٹی یا بڑی لہر موجزن ہوتی ہے۔ اور ایک اچھی بیوی وہ ساحل ہے جس سے خاوند کی زندگی ٹکراتی ہے۔ اس مبہم تعلیم نے امریکہ والوں کو اچھے ملازم اور اچھی بیویوں سے محروم کر دیا یہ سب اپنے درجہ سے باہر قدم رکھ چلے ہیں"۔

در اصل یہ نقص تعلیم کا نہیں ہے اور تعلیم کو ان نقائص کا ذریعہ قرار دینا ایک خیال غلط ہے۔ تعلیم جو بُرے اثرات سے صاف و پاک ہو ہمیشہ انسان کے لیے مفید ہوتی ہے اور اس سے اوصافِ انسانی کو جلا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت صحبت خراب ہو اور گرد و پیش سے اُن اسباب کو دور نہ کیا جائے جو بداخلاقی کی تحریک کرتے ہیں تو بے شک یہی تعلیم جو آبِ حیات ہے

زہرِ قاتل ہوجائیگی۔

زمانہ قدیم میں بھی بہت سی عورتیں ایسی گذری ہیں جنہوں نے علم اور فنِ تقریر میں کمال حاصل کیا ہے لیکن اس آزادی اور غلط اصول کی بدولت اُن کی وقعت زنِ بازاری سے زائد نہ تھی چنانچہ یونان میں جبکہ سقراط جیسے مشہور حکیم کا زمانہ تھا۔ اور یہ ملک اپنی ترقی و تہذیب اور قوت کے لحاظ سے نہایت عروج اور اوج پر تھا۔ ایک فاحشہ عورت اسا سیہ فلسفہ اور علم خطابت اور اپنے قوت بیان میں اس قدر بے عدیل و یکتا تھی کہ اُس کے زمانہ کے بعض فاضل و ماہر لوگ بھی اُس کے لکچر میں حاضر ہوتے تھے جس میں سقراط کا نام بھی شامل ہے۔ ایسی ہی ایک اور عورت تھی جو جینی فلسفہ کی تعلیم میں نہایت مشہور تھی اور علم دوست اور ہنر پرور لوگوں میں سے تھی اور اپنے زمانہ میں بڑے بڑے مولفین کے زمرہ میں شمار کی جاتی تھی۔ اُس زمانہ کے بڑے بڑے فلسفی اور حکیم اُس آزاد سوسائٹی میں آج کل کے اوباش لوگوں سے کم نہ تھے۔ یہی حالت روما کی تعلیم اور سوسائٹی کی بھی تھی لیکن بُرائی بُرائی ہے۔ اور خاص خاص لوگوں میں اُس کا احساس بھی باقی رہتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف یونان کی یہ حالت تھی، اور دوسری طرف ایتھنز کی صاحبِ اولاد عورتوں سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں پردہ نشین ہوکر زندگی گذاریں۔ اور اُن کو کھیل تماشوں میں حاضر ہونیکی اجازت نہ تھی۔ وہ مجبور تھیں کہ عام لوگوں کے سامنے نہ ہوں اور راستہ میں اپنے آپ کو چُھپا لیا کریں۔ اور جس جگہ جانا ہے وہاں جلد پہونچ جائیں۔ ذرا بھی تاخیر نہ کریں یہ لوگ

اُن کو لکھنا پڑھنا بھی نہیں سکھاتے تھے اور مرد کو عورت پر پورا غلبہ اور قابو حاصل ہوا کرتا تھا۔

یونان کی سوسائیٹیوں میں دوشیزہ نوجوان بیٹیوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور تربیت کی جاتی تھی کہ وہ عصمت مآبی اور تنہائی اور اپنی ذات کو قربان کرنے کی زندگی گزاریں اور تھیٹروں اور رقص کی مجلسوں اور ناٹکوں میں کوئی ایک بھی نہیں آسکتی تھی۔ اور نیز سڑکوں پر اور بازاروں میں منھ کھولے ہوئے اور نمائشی لباس پہنے ہوئے زنان بازاری کے سوا کوئی نہیں آتا تھا۔ اور اُن کو محفلوں اور مجلسوں میں بیٹھنا اور سیاسیات (ملکی معاملات) میں گفتگو کرنا بھی جائز نہ تھا۔ مگر جو امتیاز شریف معزز خواتین کو تھا وہ یہ ہے کہ ان خواتین کو اختیار تھا کہ جب چاہیں قربان گاہوں میں قربانیاں چڑھائیں۔ اور اُن سے جو اولاد ہوتی وہ آزاد ہوتی تھی۔

عورت اور حب الوطنی تمدن جدید کے برکات میں ملک و قوم کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید خیال کی جاتی ہے وہ حب الوطنی کے جذبات ہیں اور اس میں شک نہیں کہ مغربی مردوں کی طرح عورتوں میں بھی نہایت قابل عزت جذبات موجود ہیں لیکن مشرقی عورتوں کے متعلق پردہ شکن گروہ کا خیال ہے کہ جب تک ان کو کامل آزادی حاصل نہ ہوگی ان میں یہ مقدس جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا لیکن اسلام کی تاریخ ہمارے سامنے اس کے برعکس صدہا مثالیں پیش کرتی ہے کہ پردہ دار عورتوں نے ہر زمانہ میں بہ کثرت رفاہ ملک و قوم کے کام کیے ہیں اور ہر قرن کے

کارناموں میں ان کے نام صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہیں ہندوستان میں بھی جبکہ مسلمانوں کا عہدِ سلطنت تھا تو اس میں متعدد مواقع پر شاہی بیگمات نے ہی نہیں بلکہ عام عورتوں حتیٰ کہ لونڈیوں تک نے ان جذبات کا اظہار کیا ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں عادل شاہی اور نظام شاہی حکومتوں میں جب ایک مرتبہ جنگ ہوئی تو نظام شاہی حکومت کے ایک حبشی سردار کی بیوی حمید بیگم نے بہ اصرار مقابلہ کی اجازت لی اور عرصۂ کارزار میں بحیثیت سپہ سالار لشکر نمودار ہوئی۔

نقاب بر قامتِ رعنا افگندہ بر اسپ سواری می شد و خنجر و شمشیر مرصع بکمر می بست بعد از انکہ تلاقی صفین و محاذات فیتین اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرأت دلیرانہ با لشکر عادل خانی مصاف داد و سپاہ و سرداران را بقتل حرب و ضرب ترغیب و تحریص نمودہ قدم مردانگی را در ان بحر وغا و لجۂ ہیجا چوں کوہ استوار بجا داشت و آں غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش دادہ جمیع فیلاں و توپ خانہ را بدست آوردہ سالماً و غانماً مراجعت برافروخت۔ (الندوہ)

ایران کی عورتوں نے اپنے طرزِ عمل سے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے ایران میں اب تک مذہبی اثر و اقتدار موجود ہے اور مجتہدین و علما کا حکم فرمانِ شاہی سے زیادہ وقیع اور واجب التعمیل ہے وہاں کی عورتوں میں اگرچہ تعلیم کا آغاز ہو گیا ہے۔ لیکن اب تک وہ ایک مقید سوسائٹی میں زندگی بسر کرتی ہیں، اور جدید تمدن کے اثرات سے محفوظ ہیں، با ایں ہمہ ان میں حب الوطنی کے جذبات موجود ہیں۔ اور وہ ان کے

اظہار میں ایران کے مردوں پر بھی بازی لے گئی ہیں۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں جبکہ روسی مطالبات ایران کی دستوری حکومت کے سامنے ایک اعلانِ جنگ کی صورت میں پیش تھے اور ایرانی پارلیمنٹ اس کے قبول وانکار کے متعلق متردد تھی تو ایرانی عورتوں نے ہی اس کا فیصلہ کیا، چنانچہ اس واقعہ کو اس زمانہ کے وزیرِ خزانہ مسٹر شسٹر نے اپنی کتاب اسٹرینگلنگ آف پرشیا میں درج کیا ہے۔ جس کا ترجمہ فغانِ ایران[۱] کے نام سے ہوا ہے۔

یہاں یہ واقعہ اسی ترجمہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

جب ہر سمت یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ مجلس اپنی رائے پر قائم رہے یا روس کے الٹی میٹم کو منظور کرے اور ہر طرف شکوک و بدگمانی کا تیرہ و تار ابر چھا گیا۔ تو اُس وقت ایران کی عورتوں نے اپنے وطن کی محبت اور اپنے ملک کی حریت کی حفاظت میں وہ آخری حجاب بھی ہٹا دیا جس سے اُن کی جنس کا امتیاز تھا۔ اور ایسی دلیری دکھائی کہ ایران کی تاریخ میں یادگار رہے گی کئی دفعہ یہ افواہ گرم ہوئی کہ اراکین مجلس نے اپنے خفیہ جلسوں میں اس بات کو طے کر لیا ہے کہ روسی الٹی میٹم منظور کر لیا جائے تمام شہر کے لوگ تشویش سے پریشان تھے اور ہر شخص کو یہی فکر تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے، ہم نے ان لوگوں کو اپنا وکیل بنا کے پارلیمنٹ میں بھیجا ہے۔ انھیں اپنے فرائض کی ادائی پر قائم رکھنے

---

[۱] صفحہ ۲۵۲ و ۲۵۳۔ The strangling of Persia

کے لیے کیا۔ کرنا چاہیے کسی کے ذہن میں کچھ نہ آتا تھا مگر واہ ری ایران کی عورتو آخر اُنھوں نے اس گتھی کو سُلجھایا، تین سو عورتیں اپنے اپنے محلسرأوں سے نکلیں، ان کے قدم سے استقلال ظاہر تھا وہ سب معمولی لباس سیاہ پہنے تھیں، سفید جالی کا نقاب منھ پر ڈالے تھیں، اکثروں کے ہاتھ میں پستول تھے اور بعض اپنے دامنوں میں دبائے تھیں سب کی سب سیدھی پارلیمنٹ کی طرف گئیں اور باہر ٹھہر کر صدر نشین کے پاس کہلا بھیجا کہ اندر آنے کی اجازت دی جائے، معلوم نہیں کہ اس عجیب واقعہ سے سرزمین شیر و خورشید کے ممبران پارلیمنٹ کے دلوں پر کیا اثر ہوا ہوگا۔

صدر نشین صاحب نے آنے کی اجازت دی، وہ سب اندر داخل ہوئیں، اور بڑی دلیری سے صدر نشین صاحب کا سامنا کیا۔ اس خیال سے کہ شاید وہ اور اُن کے شرکا مطلب کو نہ سمجھیں، اُنھوں نے اپنی نقابیں اُلٹ دیں اور پستول دکھا کے کہا ہم سب یہ تصفیہ کر کے آئی ہیں کہ اس پارلیمنٹ میں ہمارے شوہر، ہمارے لڑکے، ہمارے بھائی جو اس وقت موجود ہیں ان سب کو ابھی اسی وقت مار ڈالینگے اگر اُنھوں نے روسی الٹی میٹم منظور کرنے کا ذرا بھی خیال ظاہر کیا۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ تم لوگ مرد ہو کے اپنا فرض ادا نہیں کرتے اور ملک کی حریت اور وقعت کو یوں کھونا چاہتے ہو ہم تم سب کو مارنے کے بعد اپنے تئیں بھی ہلاک کر ڈالیں گے اور ہماری لاشیں تمھاری

لاشوں کے ساتھ مل جائینگی۔

اس واقعہ کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ یہ عورتیں کتنی صدیوں سے خانہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ انھوں نے نہ کالجوں میں تعلیم پائی اور نہ مغربی خیالاتِ آزادی سے متاثر ہوئیں مگر ایسے نازک موقع پر انھوں نے قرونِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح جسارت کا اظہار کیا۔

عورت کی پوزیشن پردہ میں مخالفین پردہ کا خیال ہے کہ پردہ عورت کے لیے ایک قسم کی قید، ایک قسم کی غلامی اور ایک قسم کی سخت ذلت آمیز بدگمانی کا نام ہے جس کی وہ کسی طرح مستوجب نہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ پردہ میں رکھ کر مردوں نے خود اپنے آپ کو عورتوں کا غلام بنا لیا ہے اور اُن کے آرام و آسایش کے تمام سامان بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہو گئے ہیں مردوں کے اختلاط سے جو بدگمانی دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے اسکو پردہ نے بالکل زائل کر دیا ہے اور اس اطمینان کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو پردہ کے علاوہ ہر قسم کے حقوق اور ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے۔

یورپ والے ایشیائی عورتوں کے متعلق جب اس قسم کے غلط خیال قائم کرتے ہیں تو ان کی نگاہ سب سے پہلے غیر تعلیم یافتہ ایران پر پڑتی ہے جو تہذیب و تمدن میں اسلامی ممالک سے پیچھے ہے لیکن یہاں کی پردہ نشین عورتوں کی جو پوزیشن ہے اس کا خود یورپین مصنفین نے اعتراف کیا ہے چنانچہ ایک انگریز مصنف اپنی کتاب Customs and manner's of the women of Persia by James

Atkinson Esqr

کسٹمس اینڈ مینرس آف دی ویمن آف پرشیا مین (ایرانی عورت کے رسوم و اطوار) کے دیباچہ اور فٹ نوٹ میں لکھتا ہے۔

اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ انگلینڈ میں مشرقی عورتوں کے متعلق کسی کو اس سے زیادہ علم نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے ظالم خاوند کی غلام ہیں اور وہ حرم میں جس کو یہ لوگ قید خانہ سے کم نہیں سمجھتے مقید ہیں چند محبانِ وطن کی طرح جن کے نزدیک صرف انگلینڈ ہی ایک آزادی اور خوشی کا ملک ہے کیونکہ دوسرے ملکوں کے افعال اور خیالات انگلینڈ جیسے نہیں ہیں ہم لوگ یہ تصور کر لیتے ہیں کہ ایران یا ہندوستان کی عورتیں نہایت گری ہوئی اور تکلیف کی حالت میں ہیں۔ کیونکہ ان کو وہ حقوق اور آزادیاں حاصل نہیں ہیں جو ہماری عورتوں کو حاصل ہیں جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب یورپ والے ایرانی عورتوں کو آزادی اور سوسائٹی میں بلحاظ اُن کے مرتبہ کے بہت گرا ہوا خیال کرتے ہیں۔ تو ایران والے اپنی عورتوں کی آزادی اور حقوق وغیرہ کو یورپ والوں سے کہیں زیادہ خیال کرتے ہیں۔ ہر قوم کو اپنے اختصاصات کی بنا پر فخر و ناز کرنے کا موقع ہے یوں تو ہر فرد اپنے دوسرے ہمسایہ سے کسی بات میں بھی یکساں نہیں ہوتا ہر ایک میں کوئی نہ کوئی

---

۵ صفحہ ۷ تا ۱۳۔

خوبی ایسی ہوتی ہے جس کا موازنہ کسی دوسرے کے ساتھ ناممکن ہے۔ بس یہی حالت ایرانی عورتوں کی ہے ان کا مقابلہ کسی غیر ملک سے جس کو اپنی آزادی سوسائٹی کے بے روک حقوق اور بے نقاب رہنے پر فخر ہو کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ان عورتوں کی حمایت عورتیں ہی نہیں کرتیں بلکہ بڑے بڑے مدبر مرد بھی ان کے حامی ہیں۔ ان میں سے ایک مرزا ابو طالب خاں ہیں جو کئی سال گذرے انگلینڈ تشریف لائے تھے یہ اپنے تجربہ کی بنا پر مستند رائے کا حق رکھتے ہیں جو باتیں ایران کی خواتین یورپ کی عورتوں سے زیادہ رکھتی ہیں۔ ان کو انھوں نے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ چھٹے حصے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ ایشیائی خاوندوں کو اپنی بیبیوں کی ذات پر قانوناً اور رسماً بہت بڑا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ یورپ کی عورتیں باوجودیکہ باہر پھرتی ہیں، غیروں سے بات چیت کرتی ہیں لیکن رات کو گھر سے باہر رہنے کی ان کو سخت ممانعت ہے۔ برخلاف اس کے ایشیائی عورتیں اپنی ملنے والی عورتوں کے یہاں جن کو اُن کے خاوند نہیں جانتے جا سکتی ہیں اور صرف ایک دو رات نہیں بلکہ ہفتہ بھر بغیر اپنے خاوند یا باپ کے کسی آدمی کے ساتھ ہوئے رہ سکتی ہیں۔ اُس مکان میں جس میں عورتیں مہمان ہوتی ہیں خود مالکِ مکان داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ پندرہ برس سے کم عمر کے بچے جو اس گھر سے تعلق رکھتے ہوں اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانوں اور کھیل تماشوں میں شریک ہوتے ہیں۔

سر جان[1] مالکم کہتے ہیں کہ۔

(طلاق ایرانیوں میں) کبھی بد چلنی کی وجہ سے نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو عورت سخت سزا کی مستوجب ہوتی ہے۔ عموماً خاوند کی بد مزاجی یا فضول خرچی یا بیوی کی طرف سے بے پروائی یا اُس کے ساتھ بُرا برتاؤ طلاق کی وجہ ہوا کرتی ہے۔

اسی طرح ہر ملک کے مسلمانوں میں عورتوں کا درجہ ہے اور اگر اس کے خلاف کہیں ہے تو وہ بہت ہی کم اور بالکل ایک استثنائی مثال کے طریقہ پر ہے اور محض جہالت اور مذہبی احکام سے بے پروائی کا نتیجہ ہے لیکن تمام شرفا ایسی مثالوں کو نفرت وحقارت سے دیکھتے ہیں اور ایسے شخص کی کوئی عزت نہیں کی جاتی جو اپنے اہل اور خاندانی عورتوں کے لیے اچھا نہ ہو۔ ایسی حالت پر بھی شریف عورتیں صبر کا زبردست اور حیرت انگیز نمونہ پیش کرتی ہیں اور حیا و عفت کے ساتھ اپنی تمام عمر گذار دیتی ہیں۔

نتائج مابعد شادی | پردہ شکن گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ پردہ نشینی کی شادیاں حقیقی محبت پیدا نہیں کرتیں کیونکہ شادی سے قبل ایک کو دوسرے کے مزاج اور عادات و خصائل سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اور پھر تمام عمر اختلاف مزاج کی مصیبتوں میں بسر ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جہاں اس کے خلاف عمل ہوتا ہے اور

[1] صفحہ ۹ فٹ نوٹ۔

جہاں ہر ایک شادی کامل محبت اور کورٹ شپ کے بعد ہوتی ہے وہاں کیونکر زندگی گذاری جاتی ہے ہمارے نزدیک اس کا معیار زن و شوہر کے افتراق اور طلاق پر ہے۔ اس کی نسبت امریکہ کا ایک زبردست مضمون نگار مسٹر لوسن رسالہ ریویو آف[۵۱] ریویوز میں لکھتا ہے۔

وہاں طلاق اور شادی کی نسبت ۳۰ اور ۱۰۰ کی ہے لیکن اس کا اوسط ان ممالک میں جہاں پردہ ہوتا ہے بہت کم ہے بس وہاں وہ نسبت ہے جو ۱ کو ۱۰۰ سے ہے۔

اس نے ایک نقشہ[۵۲] شادی و طلاق کے ان اعداد و شمار کا بھی شایع کیا تھا۔ جو چند سالوں میں امریکہ میں واقع ہوئے تھے ان کی حدود جدول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ۲۴ سال پہلے امریکہ کے مختلف شہروں میں فی ۸ و ۱۰ و ۱۲ ½ و ۱۳ و ۲۱ شادیوں میں ایک کا اوسط رہا۔

اس جدول کے بعد وہ لکھتا ہے کہ ۸۰ فیصدی درخواستیں عورت کی جانب سے پیش ہوتی ہیں۔ اور بہت سے شوہروں کو اپنی بیویوں کے مطلقہ ہونیکی اس وقت خبر ملتی ہے جبکہ وہ دوسرے مرد سے شادی کر چکی ہوتی ہیں ایک جگہ لکھتا ہے۔

اب طلاق کا رواج حد سے بڑھ گیا ہے اور جو امر سخت خوفناک ہے وہ یہ ہے کہ

---

۵۱ ماخوذ از ام الدنیا صفحہ ۶۔ Review of Reviews.

۵۲ اقتباس از مراۃ المسلمہ صفحہ ۱۵۸ و ۱۵۹۔

۸۰ فی صدی درخواستیں عورت کی جانب سے پیش ہوتی ہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو فسخ نکاح کا بہت کم خیال گذرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عورت کو طلاق دینے سے بے حد شرمندہ ہوتا ہے اور اس لیے جس وقت مرد اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ آجاتا ہے تو پہلے وہ کسی دوسری عورت کی تلاش کرتا ہے۔ اور جب تک دوسری مطلوبہ اس سے شادی کرنے پر رضامندی نہ ظاہر کرے وہ ہرگز پہلی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرتا،

اُس سے زیادہ افسوس ناک حالت ان مقدمات میں نظر آتی ہے جو عموماً زن و شوہر کے مابین دائر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہ تو ان عورتوں کی حالت ہے جو طلاق حاصل کر لیتی ہیں۔ اُن سے زیادہ خراب زندگی اُن عورتوں کی ہوتی ہے جو طلاق اور نکاح کے مابین حالت میں جس کا نام قانونی علیحدگی ہے بسر کرتی ہیں

ایک با اثر وفد جس کے سرغنہ لارڈ سیڈنہم[1] تھے ہوم سکرٹری[2] صاحب کی خدمت میں چند روز قبل حاضر ہوا تھا اُس نے ایک نہایت وسیع معاشرتی سوال پیش کیا جس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا انگلینڈ اور ویلز کے موجودہ قوانین شادی کے بموجب شادی شدہ مرد و عورت کے لیے قانونی علیحدگی حاصل کرنی نہایت آسان ہے۔ اور اس کے لیے قانونی کارروائیوں میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے طلاق کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور اس کی ضروری قانونی کارروائیوں میں اتنا روپیہ خرچ

[1] سابق گورنر بمبئی۔

ہوتا ہے کہ اس کا برداشت کرنا بیشتر حصہ آبادی کی استطاعت سے باہر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے شادی شدہ مرد و عورت جن کے پاس طلاق کے کافی وجوہ موجود ہیں محض قانونی علیحدگی پر اکتفا کرنے پر مجبور ہیں۔ لارڈ سیڈنہم کے بیان کے بموجب اس وقت اس طرح کی علیحدگی حاصل کیے ہوئے نفوس کی تعداد انگلینڈ اور ویلز میں دس لاکھ سے زاید ہے۔ اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے نتائج ہر نقطۂ خیال سے نہایت افسوس ناک ہیں۔ اگر بچہ عورت کے ساتھ رہے تو یا تو وہ اپنے اور بچوں کے لیے حصولِ معاش کی فکر میں سرگرداں ہوتی ہے یا کسی دوسرے شخص سے ناجائز تعلقات پر مجبور ہوتی ہے۔ برعکس اس کے اگر لڑکوں کو باپ نے لے لیا تو وہ عملاً اس پر مجبور ہوتا ہے کہ ایک دوسری غیر شادی شدہ بیوی اپنے ساتھ رکھے کیونکہ غربا میں گھر کا کاروبار کرنے کے لیے ماما رکھنے کی نہ تو استطاعت ہے اور نہ خانگی انتظامات اس سے نبھ سکتے ہیں بقول وفد قانون، طلاق میں مشکلات پیدا کر کے ناجائز تعلقات کو مسلسل بڑھا رہا ہے۔ جس کے معاشرتی نقائص خصوصاً عورتوں اور بچوں کے لیے نہایت ہی اہم ہیں۔ یہ بات صاف صاف کہہ دینی ضرور ہے کہ ان قانونی بدعنوانیوں کی ذمہ داری انگلستانی گرجا کے ان پادریوں پر ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ اور ہر حالت میں طلاق کی مخالفت کی ہے۔"

(ترجمہ ڈیلی گرافک از ہمدم ۱۹۱۸ء)

خاتمہ

اخلاقی بُرائیاں جس قدر ترقی کرتی جاتی ہیں، اُسی قدر اُن کے نقصانات نمایاں ہوتے جاتے ہیں، اسلام نے ابتدا میں جن بُرائیوں سے روکا تھا تمدن کی وسعت اُن کو روز بروز بڑھا رہی ہے اس لیے ان کے نقصانات کے انسداد کی طرف قوم کا برگزیدہ گروہ پہلے سے زیادہ متوجہ ہے، اسلام نے شراب خواری کی ممانعت اُس وقت کی تھی جب اُس کے نقصانات نسبۃً کم ظاہر ہوتے تھے لیکن اب جبکہ ان نقصانات کا ظہور شدت کے ساتھ ہو رہا ہے، اطبا، ڈاکٹر، مصلحین، ریفارمر، مدبرانِ سیاست بھی انسدادِ شراب خواری کی کوشش کر رہے ہیں، ایسی حالت میں اگر لوگ اس اُم الخبائث سے اجتناب نہ کریں تو ان کے لیے بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے، ختم اللہ علی قلوبھم الخ۔

اسلام نے پردے کا حکم بھی جن خرابیوں کی انسداد کے لیے دیا تھا، اب شراب خواری کے نقصانات کی طرح وہ بھی شدت کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں، اس لیے قوم کا برگزیدہ گروہ اُن کی انسداد کی طرف مائل ہے اس طور پر متمدن ممالک کی بہترین رائیں گویا پردے کی حمایت کر رہی ہیں ان رایوں کا خلاصہ، اور قرآن مجید کی تعلیمات کا لبِ لباب اوپر گذر چکا ہے، لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ

جو لوگ پردے کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ بالکل اُلٹے پاؤں چل رہے ہیں، قرآن مجید کی تعلیم جو خاص طور پر مسلمانوں کو دی گئی تھی، اس سے دوسری قومیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں، اور یہ ہیں کہ اُس سے اعراض کر رہے ہیں، قرآن مجید نے مسلمانوں کو قوموں کی تاریخ اور قوموں کے حالات سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کا جو حکم دیا تھا اس سے یہ بالکل غافل ہیں، بلکہ اب خود اُن کی حالت عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے قابل ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو یورپ کی سطحی تقلید کے اثر سے ان خرابیوں سے بے پروا ہیں تاہم ان کے دل میں تنبیہہ آمیز احساس ضرور موجود ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اُن کو بیدار کرے تو وہ جاگ سکتے ہیں۔ اس کتاب سے اسی قسم کے لوگوں کا بیدار کرنا مقصود ہے اگر یہ ناچیز تصنیف اس مقصد میں کامیاب ہو گئی تو میں اس کو اپنی کوششوں کا بہترین معاوضہ سمجھوں گی مگر مجھے اس تصنیف سے زیادہ اپنی مخلصانہ نیت پر اعتماد ہے، اس لیے میں نہایت خلوص کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتی ہوں کہ وہ اپنے بندے اور بندیوں کو اپنی پاک تعلیمات پر عمل کرنے کی ہدایت دے۔ وھٰذا اٰخر دعوانا وغایۃ مامولنا۔

ختم شد